خبر واحد کی شرعی حیثیت

احمد حسن

خبر متواتر سے متعلق اپنے ایک سابق مقالہ (۱) میں ہم نفس خبر کی تعریف کے بارے میں سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔ یہاں خبر سے ہماری مراد حدیث ہے۔ اس مقالہ میں ہم خبر واحد کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ محدثین نے اصول حدیث کی کتابوں میں ان موضوعات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ لیکن علماء اصول اور محدثین کے درمیان کہیں کہیں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس مقالہ میں ہم خبر واحد سے متعلق علماء اصول کا نقطہ نظر پیش کریں گے۔ خبر مشہور اور حدیث مرسل بھی خبر واحد میں ہی شامل ہیں اس لئے ضمناً ان پر بھی بحث کرنا ضروری ہے۔

خبر میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اس لئے علماء اصول نے اس کی تین قسمیں کی ہیں۔ ایسی خبر جس کا صادق ہونا یقینی ہو۔ ایسی خبر جس کا کاذب ہونا یقینی ہو۔ اور ایسی خبر جس کا صادق ہونا ظنی ہو۔ جس خبر کا صادق ہونا یقینی ہو اس کی سات قسمیں ہیں۔ اول ایسی خبر جس کی صداقت تسلیم کرنے پر انسان مجبور ہو۔ اصطلاح میں اس کو بالضرورۃ کہتے ہیں۔ جیسے ایک دو کا نصف ہے۔ یا جس کی صداقت استدلال سے ثابت ہو جیسے عالم حادث ہے۔ دوم وہ خبر جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ سوم وہ خبر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہو اور صحیح روایت

سے ثابت ہو۔ چہارم وہ خبر جس کی صداقت پر پوری امت متفق ہو یعنی جس پر اجماع امت ہو۔ پنجم وہ خبر جو ایک جم غفیر اور لوگوں کی بہت بڑی تعداد میں سے ہر شخص اپنے حالات ، قلبی کیفیات اور صفات کے بارے میں دے۔ یعنی ایک بہت بڑے گروہ میں سے لوگ اپنی شہوت ، نفرت اور بھوک پیاس کے بارے میں بیان کریں ۔ مثلاً زید کہے کہ میں بھوکا ہوں۔ عمرو کہے کہ میں پیاسا ہوں وغیرہ۔ اتنی بڑی تعداد کو نہیں جھٹلایا جا سکتا ۔ تاہم یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ کون سچ بول رہا ہے اور کون جھوٹ اس کو تواتر معنوی کہتے ہیں ۔ یعنی اس خبر میں صداقت یقینی ہے۔ تاہم اس کا تعین نہیں کیا جا سکتا ۔ ششم وہ خبر جس کی تصدیق قرائن سے ہوتی ہو۔ ہفتم خبر متواتر۔

خبر کی دوسری قسم وہ ہے جس کا کاذب ہونا یقینی ہو۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں ۔ اول یہ کہ ہر شخص اس خبر کو جھوٹ ماننے پر مجبور ہو یعنی بالضرورۃ وہ کاذب ہو۔ جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ آگ ٹھنڈی ہوتی ہے۔ یا متناقض امور جمع ہو سکتے ہوں۔ یا استدلال سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جیسے فلاسفہ کا یہ نظریہ کہ عالم قدیم ہے۔ حالانکہ حدوث عالم قرآن سے ثابت ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس واقعہ کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے اس کے ناقلین ایک یا دو آدمی ہوں۔ حالانکہ وہ واقعہ ایسا عجیب و غریب ہے کہ اس کے ناقلین تو کثرت سے ہونے چاہیئے تھے ۔ مثلاً جمعہ کی نماز میں خطبہ کے وقت خطیب مسجد میں منبر سے گر پڑا ۔ لیکن اس واقعہ کو صرف ایک یا دو آدمی نقل کریں ۔ حالانکہ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز میں اس واقعہ کو دیکھنے والے کثرت سے ہوں گے ۔ یا

کوئی شخص یہ کہے کہ مکہ و مدینہ کے درمیان راستہ میں ان دونوں شہروں سے کوئی بڑا شہر بھی موجود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ بات کثرت سے لوگ نقل کرتے اور وہاں جانے والے اور اس کو دیکھنے والے کثرت سے موجود ہوتے ۔ اس لئے اس خبر کا جھوٹ ہونا یقینی ہوگا ۔ یا اس خبر کا تعلق اصول دین سے ہو ۔ مثلاً کوئی شخص چھ یا سات وقت کی نماز فرض بتلائے یا ایسی ہی کوئی خبر دے جو اصول دین اور متفق علیہ چیزوں کے خلاف ہو ۔ اس میں وہ تمام موضوع احادیث بھی شامل ہیں جن کے موضوع ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔

خبر کی تیسری قسم وہ ہے جس کی صداقت ظنی ہو ، یعنی جس کا سچا یا جھوٹا ہونا یقینی نہ ہو ۔ خبر واحد اسی نوع سے تعلق رکھتی ہے (۲) ۔

اصول فقہ اور اصول حدیث کی کتابوں میں خبر واحد کی متعدد تعریفات دی ہوئی ہیں ۔ یہاں ہم چند مشہور اور اہم تعریفیں نقل کرتے ہیں ۔

امام شافعی خبر واحد کو خبر الخاصہ کہتے ہیں ۔ انہوں نے اس کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے :

خبر الواحد عن الواحد حتیٰ ینتھی به الی النبی صلی اللہ علیه وسلم او الی من انتھی به الیه دونه (۳) .

خبر الخاصہ ایسی خبر کو کہتے ہیں کہ کسی واقعہ کو ایک شخص دوسرے سے روایت کرے ، یہاں تک کہ یہ سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے ، یا آپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص تک ۔

خبر الواحد ما نقله واحد عن واحد او واحد عن جماعة او جماعة عن واحد ولاعبرة للعدد اذا لم یبلغ حد المشھور (۴) .

خبر واحد وہ ہے جس کو ایک راوی دوسرے ایک راوی سے نقل کرے - یا ایک راوی جماعت سے یا راویوں کی ایک جماعت ایک راوی سے روایت کرے - اور جب تک راویوں کی تعداد مشہور کی حد تک نہ پہنچ جائے خبر واحد میں راویوں کی تعداد کا اعتبار نہیں -

خبر الواحد العدل حجة للعمل به فی امر الدین ولایثبت به علم الیقین (٥)

ایک عادل شخص کا کسی واقعہ کے بارے میں خبر دینا دینی امور میں عمل کرنے کے لئے حجت ہے ، لیکن اس سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا -

اس کی شرح میں انہوں نے کہا ہے کہ خبر واحد کا ایسی خبر سے تعلق ہے جس کے جھوٹ یا سچ ہونے کا یقینی علم نہ ہو- اس کی تین صورتیں ہیں - سچ ہونے کا احتمال راجح ہو ، جیسے کسی عادل شخص کی خبر - جھوٹ ہونے کا احتمال راجح ہو ، جیسے کسی فاسق کی خبر - سچ اور جھوٹ ہونے میں کسی کو ترجیح نہ ہو - دونوں مساوی ہوں - جیسے مجہول کی خبر - اس تعریف میں ایک عادل شخص کی خبر کو ترجیح دیتے ہیں - اور لفظ عادل سے فاسق اور مجہول کی خبر خارج ہوگئی - کیونکہ عادل کی خبر میں سچائی کے گمان کو ترجیح حاصل ہے - لفظ واحد سے خبر متواتر خارج ہو جاتی ہے - علماء اصول کی اصطلاح میں خبر واحد وہ ہے جو متواتر نہ ہو (٦) - اکثر فقہاء کے نزدیک خبر مشہور بھی خبر واحد میں داخل ہے - لیکن احناف نے خبر مستفیض یا مشہور کو خبر واحد سے علیحدہ کر دیا ہے - خبر مشہور اور مستفیض پر ہم مستقل طور پر علیحدہ بحث کریں گے -

اصول فقه کی طرح اصول حدیث میں بھی ھمیں خبر واحد پر مفصل بحث ملتی ہے۔ محدثین نے خبر کو دو بڑی قسموں میں بانٹا ہے۔ خبر متواتر اور خبر واحد۔ پھر خبر واحد کو تین ذیلی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ مشہور ، عزیز اور غریب۔ ان تینوں پر خبر واحد کا اطلاق ھوتا ہے۔ خبر واحد کی مندرجہ ذیل تعریف کی گئی ہے۔

وخبر الواحد فی اللغة ما یرویه شخص واحد ، وفی الاصطلاح مالم یجمع شروط التواتر (۷) .

لغت میں خبر واحد اس خبر کو کہتے ھیں جس کو ایک شخص روایت کرے۔ اصطلاح میں اس خبر کو کہتے ھیں جس میں تواتر کی شرطیں نه پائی جائیں ، یعنی کثیر تعداد نه ھو ، جھوٹ پر اتفاق ناممکن ھو ، ابتداء اور انتہاء میں راویوں کی تعداد یکساں نه ھو ، اور واقعه حسی نه ھو۔

مشہور اس خبر کو کہتے ھیں جسے دو راوی روایت کریں۔ عزیز وہ ہے جس کو دو یا تین راوی روایت کریں۔ اور غریب وہ ہے جس کو ایک شخص روایت کرے۔ اس کو فرد بھی کہتے ھیں (۸)۔ یه اصطلاحیں اصول فقه میں مستعمل نہیں ھیں۔

مذکورہ بالا تعریفات کا خلاصه یه ہے که خبر واحد ایسی خبر کو کہتے ھیں جس کو دور صحابه ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں ایک ھی راوی روایت کرے۔ یا اتنے راوی روایت کریں جن کی تعداد خبر مشہور یا متواتر تک نه پہنچتی ھو۔ اس خبر کے راویوں سے نقل میں کذب ، سہو اور غلطی کا امکان ھو۔ خبر واحد کا راوی عادل ھونا چاھیئے ، کیونکه فاسق کی خبر قابل قبول نہیں۔

خبر واحد کیونکه ظنی ہے اور اس میں جھوٹ کا امکان ھوتا ہے اس لئے بعض لوگوں نے اس کی حجیت سے انکار کیا ہے۔ ان کے

اس انکار کے ردعمل کے طور پر اصول فقه کی کتابوں میں خبر واحد کی حجیت پر کثرت سے دلائل دیئے گئے ھیں ۔ ذیل میں ھم خبر واحد کے موافق اور مخالف دلائل کا خلاصه پیش کرتے ھیں ۔

شارع نے خبر واحد پر عمل واجب قرار دیا ہے۔ اس کو اصطلاح میں تعبّد کہتے ھیں۔ اس مسئله میں اهل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء اور علماء اصول کا نظریه یه ہے که خبر واحد پر شارع کی طرف سے عمل کا واجب ہونا عقلاًنه محال ہےاور نه واجب لیکن سمعاً یعنی قرآن و سنت و اجماع صحابه سے اس کا وجوب ثابت ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے که خبر واحد پر عمل کا حکم نه عقلی طور پر ثابت ہے اور نه سمعی طور پر ۔ دوسرا گروہ یه کہتا ہے که خبر واحد پر عمل کا واجب ہونا عقلاً تو ثابت ہے، لیکن سمعاً نہیں ۔ یه محمد بن محمد قاشانی (متوفی ۵۲۹ھ) ، ابوبکر بن داؤد (متوفی ۸۰٦ھ) ، قدریه اور روافض کا نظریه ہے۔ ان کے خیال میں خبر واحد عادل پر عمل کرنا کتاب و سنت کی رو سے حرام ہے۔معتزله میں سے جبائی کا خیال یه ہے که دو شخصوں کی خبر پر عمل واجب ہے ، ایک کی خبر پر عمل نه عقلاً واجب ہے اور نه سمعاً ۔ احمد بن حنبل ، قفال ، ابن شریح ، اور ابوالحسین بصری کی رائے یه ہے که خبر واحد پر عمل کرنا صرف عقلی طور پر ثابت ہے۔ اهل حدیث کے ایک گروہ کا خیال ہے که خبر واحد پر نه صرف عمل کرنا ضروری ہے بلکه یه مفید علم یقینی ہے (۹) ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کے سامنے اگر ایک شخص کسی واقعه کی خبر دے اور آپ سکوت اختیار فرمائیں اور انکار نه کریں تو کیا اس شخص کو یقینی طور پر سچا سمجھا جائے گا ؟ ایک گروہ کا

خیال یہ ہے کہ اس شخص کی بات کو قطعی طور سچا سمجھا جائے گا ۔ لیکن آمدی نے اس پر اعتراضات کئے ہیں ۔ اور بعض احتمالات کی بنا پر ان کے نزدیک اس شخص کی یہ خبر یقینی طور پر سچی نہیں سمجھی جائے گی ۔ ، ظنی طور پر ہو سکتی ہے ۔

اگر ایک شخص کسی محسوس واقعہ کے بارے میں کسی بہت بڑے مجمع کے سامنے خبر دے ، اور سب لوگ سکوت اختیار کریں اور اس کی تکذیب نہ کریں تو فقہاء کے ایک گروہ کے نزدیک یہ شخص سچا سمجھا جائے گا ۔ لیکن آمدی نے اس نظریہ پر بھی اعتراضات کئے ہیں ، اور کئی احتمالات کے پیش نظر اس شخص کی خبر کو ظنی طور پر صادق کہا ہے ۔ قطعی طور پر یہ سچی نہیں ہو سکتی ۔

اگر ایک شخص کسی واقعہ کے بارے میں خبر دے اور اس کے مقتضی کے مطابق پوری امت کا بالاتفاق عمل ہو ، تو معتزلہ میں سے ابو ہاشم اور ابو عبداللہ بصری کا خیال ہے ، کہ یہ قطعی طور پر صادق ہے ، کیونکہ پوری امت باطل پر متفق نہیں ہو سکتی ۔ لیکن آمدی اس کو بھی مظنون صداقت سمجھتے ہیں ۔

کوئی واقعہ کسی بہت بڑے مجمع کے سامنے پیش آیا ہو ، لیکن اس کا خبر دینے والا صرف ایک شخص ہو ، تو تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے ۔ مثلاً خلیفہ وقت کو جمعہ کی نماز میں جامع مسجد میں قتل کیا گیا ہو ، اور اس کا خبر دینے والا ایک شخص ہو ، اور کوئی دوسرا آدمی اس کی خبر نہ دے ، تو قطعی طور پر یہ خبر جھوٹی ہے (۱۰) ۔

خبر واحد کے مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ہم بعد میں نقل کریں گے ۔ یہاں خبر واحد کی حجیت کے دلائل نقل کرتے

هیں ۔ علماء اصول نے قرآن مجید ، سنت ، آثار و تعامل صحابه ، اجماع امت اور عقل کی بنیاد پر خبر واحد کو ثابت کرنے کے لئے دلائل دیئے هیں ۔ یه دلائل بہت طویل اور مفصل هیں ۔ اس لئے هم ان کا خلاصه پیش کریں گے ۔

امام شافعیؒ نے اپنے رساله میں خبر واحد کی حجیت پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے ۔ ایسا معلوم هوتا ہے که دوسری صدی هجری میں خبر واحد کے مخالفین موجود تھے ۔ اور وہ اس کے خلاف دلائل پیش کر رہے تھے ، جن کو امام شافعی نے جواب دیئے هیں بعثت انبیاء سے متعلق مندرجه ذیل آیات پیش کی هیں :

انا ارسلنا نوحا الی قومه (نوح ۔۱) بیشک هم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا .

واوحینا الی ابراهیم و اسمعیل (نساء ۔۱۶۲) اور هم نے ابراهیم اور اسمٰعیل کی جانب وحی بھیجی تھی ۔

والی عاد اخاهم هودا (هود ۔۵۰) اور هم نے عاد کی طرف ان کے بھائی هود کو بھیجا۔

والی ثمود اخاهم صالحا (هود ۔ ٦۰) اور هم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا ۔

والی مدین اخاهم شعیبا (هود ۔ ۸۳) اور اهل مدین کی طرف هم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا ۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعده (نساء ۔ ۱٦۲)

اے نبی هم نے آپ کی طرف ایسی هی وحی بھیجی ہے جیسی وحی هم نے نوح اور نوح کے بعد آنے والے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی ۔

وما محمد الا رسول ، قدخلت من قبله الرسل (آل عمران ۔ ۱۴۴) ۔

ان آیات کو بیان کرکے امام شافعی فرماتے ھیں که الله تعالی نے انبیاء کو ایک ایک کرکے اپنا پیغام لے کر اپنے بندوں کی طرف بھیجا۔ ان انبیاء کو ان لوگوں پر جن کی طرف انھیں مبعوث کیا گیا تھا، اپنی امتیازی صفات کے سبب برتری حاصل تھی۔ اور اس برتری کے سبب وہ ان پر دلیل و حجت قائم کر سکے۔ یه ان لوگوں کے لئے حجت و دلیل لے کر آئے جنھوں نے ان کی سیرت و اعمال کا مشاھدہ کیا، اور ان کے دلائل کو جانچا اور پرکھا۔ اور ان کی ان صفات کا جائزہ لیا جن سے وہ دوسروں سے ممتاز تھے۔

انبیاء اپنی امتیازی صفات میں برابر تھے، خواہ وہ اکیلے اکیلے مبعوث ھوئے یا ایک سے زیادہ تعداد میں مل کر آئے۔ ان کی وحدت اور کثرت کے درمیان اس معامله میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جیسے ان کی کثرت لوگوں کے لئے حجت تھی، ایسے ھی وحدت بھی حجت تھی۔ بلاشبه قرآن مجید کی بعض آیات میں دو یا دو سے زیادہ نبیوں کی بعثت کا بھی ذکر ھے۔ لیکن یه محض تاکید کے لئے ہے۔ تاکید کا ھرگز یه مطلب نہیں که ایک نبی اپنی خصوصی صفات کے سبب لوگوں پر حجت نہیں ھو سکتا بلکه انبیاء کی کثیر تعداد ھی حجت ھو سکتی ہے، (۱۱)۔

امام سرخسی نے مندرجه ذیل آیات پیش کی ھیں:

ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینت والھدی من بعد ما بینٰه للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم الله ویلعنھم اللٰعنون (بقرہ۔ ۱۵۹)۔

بیشک جو لوگ ان مضامین کو چھپاتے ھیں جو صاف اور صریح ھیں اور راسته دکھانے والے ھیں جن کو ھم نے نازل کیا ہے، بعد اس کے که ھم ان مضامین کو کتاب میں لوگوں کے لئے خوب کھول کر بیان

بھی کر چکے ھیں تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت کرتا ہے، اور سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ھیں ۔

و اذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننه للناس ولا تکتمونه فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا به ثمنا قلیلا ۔ فبئس ما یشترون (آل عمران ۔ ۱۸٦)

اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اھل کتاب سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں، پھر اھل کتاب نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا، اور اس کتاب کے بدلہ میں بہت ھی معمولی قیمت حاصل کرلی، سو کیا ھی بری ہے وہ چیز جو یہ حاصل کر رھے ھیں ۔

ان دونوں آیتوں میں پوری جماعت کو حکم ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیات اور اس کے احکام کو نہ چھپائیں، اور ان کو یہ حکم ہے کہ خدا کے حکم کو لوگوں کے سامنے ظاھر کریں اور اس کو ان تک پہنچائیں ۔ امام سرخسی کہتے ھیں کہ یہ بات ظاھر ہے کہ جماعت میں افراد بھی شامل ھیں ۔ اور یہ حکم جماعت کو ہے اور جماعت کے ھر ھر فرد کے لئے بھی ہے ۔ لہذا ھر شخص پر واجب ہے کہ اگر اس کو ایک شخص بھی خدا کا حکم پہنچائے، بشرطیکہ وہ ثقہ اور عادل ھو، جیسا کہ دوسری آیات سے معلوم ھوتا ہے، تو اس کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے ۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

فلولا نفر من کل فرقة منھم طائفة لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (توبه ۔ ۱۲۲)

سو ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ھر بڑی جماعت میں سے ایک

مختصر جماعت نکلا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے رہیں ، اور تاکہ جب یہ مجاہدین ان کی طرف واپس آئیں تو یہ دین کی فہم حاصل کرنے والے ان کو خدا کے احکام سنا کر ڈرائیں ، تاکہ وہ گناہوں سے بچتے رہیں ۔

عربی زبان میں لفظ فرقہ کا اطلاق تین یا تین سے زیادہ پر ہوتا ہے ۔ اور لفظ طائفہ کا اطلاق ایک یا دو پر ہوتا ہے ۔ متقدمین کے درمیان لفظ طائفہ کی تفسیر میں اختلاف ہے ۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ اس کا اطلاق ایک پر ہوتا ہے ۔ عطاء نے کہا ہے کہ اس کا اطلاق دو پر ہوتا ہے ۔ زہری کے نزدیک تین پر اور حسن بصری کے نزدیک دس پر ۔ لیکن صحیح بات وہ ہے جو محمد بن کعب نے کہی ہے کہ اس کا اطلاق ایک پر ہوتا ہے ۔ اس کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے ۔ مثلاً اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

ولیشھد عذابھما طائفة (نور ـ۲) اور ان دونوں کو سزا دیتے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو موجود رہنا چاہیئے ۔

اس آیت میں طائفہ سے مراد ایک شخص بھی ہو سکتا ہے اور ایک سے زائد اشخاص بھی ۔ اسی طرح دوسری آیت ہے :

وان طائفتٰن من المومنین اقتتلوٰ فاصلحوا بینھما (حجرات ـ ۹) اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو ۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ عہد رسالت میں دو شخص آپس میں لڑ پڑے تھے ۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی ۔ یہاں دو شخصوں کو طائفہ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اگر یہ خطاب جماعت سے بھی ہو تب بھی اس میں افراد داخل ہیں ۔ جن لوگوں کو رسول اللہ

صلی اللہ علیه وسلم تبلیغ کے لئے بھیجتے تھے ، خواہ وہ جماعت کی شکل میں ہوتے یا افراد ، وہ تبلیغ احکام میں آپ کی طرف سے نائب ہوتے ۔ اس لئے ایک شخص جو عادل ہو ، یا ثقه ہو اور احکام الٰہی سے پورے طور پر واقف ہو اس کی تبلیغ احکام دوسروں پر حجت ہے۔ اس آیت سے یه بھی معلوم ہوتا ہے که وجوب تبلیغ احکام سامع کے لئے قبول کرنے کو مستلزم ہے۔ کیونکه آخری جمله لعلهم یحذرون اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب آدمی اس کو سن کر ماننے اور اس پر عمل کرے (۱۲) ۔

عبدالعزیز بخاری نے خبر واحد کی حجیت میں مندرجه ذیل آیات پیش کی ہیں :

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون (نحل ۔ ۴۳)

اگر تم لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہے تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو ۔

اس آیت میں اہل علم سے ان احکام کے بارے میں دریافت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن کا علم نه ہو۔ یہاں مجتہد اور غیر مجتہد کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی ۔ اگر کوئی مجتہد غیر مجتہد سے دینی احکام سے متعلق کوئی بات دریافت کرتا ہے تو اس کا مطلب فتویٰ لینا نہیں ہوتا ۔ بلکه کوئی حدیث ہی معلوم کرنا مقصود ہو سکتا ہے ، جو دوسرے شخص نے سنی ہو۔ اگر اس مجتہد کو کسی نے کوئی ایسی حدیث بتائی جس کا اسے علم نه تھا ، تو اس پر اس حدیث کا قبول کرنا ضروری ہو گا کیونکه اگر اس کا قبول کرنا واجب نه ہوتا ، تو سوال کرنا بھی واجب نه ہوتا ۔

یا ایها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین (نساء ۔ ۱۳۵)

اے ایمان والو انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے اور اللہ تعالی کے لئے گواھی دینے والے رھو ، یہ شہادت اگرچہ خود تمہارے حق میں یا تمہارے والدین یا قرابت داروں کے حق میں ، مضر ھی کیوں نہ ھو۔

اس آیت میں انصاف کرنے اور اللہ کے لئے شہادت دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنے ، اور اس کو دوسرے سے بیان کرے ، تو وہ بھی انصاف کرتا ہے، اور اللہ کے لئے گواھی دیتا ہے، کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اس پر واجب ہے۔ اور یہ اسی صورت میں اس پر واجب ھوگا جب اس حدیث کا قبول کرنا بھی واجب ھو۔ ورنہ وجوب اور عدم وجوب شہادت میں کوئی تمیز نہ ھوگی۔

یا ایها الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبئا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (حجرات ـ ٦)

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس خبر کی خوب چھان بین کر لیا کرو ، کہیں ایسا نہ ھو کہ تم کچھ لوگوں کو اپنی لاعلمی کے سبب کوئی ضرر پہنچا دو ، پھر تم اپنے کئے پر نادم ھو۔

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد اس کو قبول کریں۔ یہاں تحقیق کرنا حکم ہے اور فاسق کا خبر دینا علت ہے ، اور خبر میں خبر کی تمام اقسام شامل ھیں۔ یعنی متواتر ، مشہور اور خبر واحد۔ اگر خبر واحد کو ھم اس سے خارج کر دیں اور یہ سمجھیں کہ تحقیق کے بعد بھی خبر واحد کو قبول نہیں کیا جائے گا ، تو اس

علت کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ، کیونکہ وصف لازم کی علیت وصف عارض کی علیت سے مانع ہے۔ یعنی علـت وصف لازم کو سمجھا جائے گا وصف عارض کو نہیں سمجھا جائے گا ۔ جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ مردہ شخص اس لئے نہیں لکھ سکتا کہ اس کے پاس قلم دوات نہیں ہوتے ۔ اس تعلیل پر لوگ کہنے والے کو احمق سمجھیں گے ، کیونکہ موت وصف لازم ہے ، اور قلم دوات کا موجود نہ ہونا وصف عارض ہے ۔ اس لئے علت وصف لازم یعنی موت کو بنایا جائے گا ، نہ کہ قلم دوات کی عدم موجودگی کو ۔ اسی طرح اس آیت میں فاسق کا خبر دینا وصف لازم ہے ، اور خبر واحد وصف عارض ہے۔ .. اس لئے خبر واحد کو یہاں مانع نہیں سمجھا جائے گا ، بلکہ مخبر کا فاسق ہونا مانع ہوگا ۔ اس لئے اس آیت سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تحقیق کے بعد یہ بات ثابت ہو جائے کہ خبر سچی ہے ، تو اس کو قبول کرنا لازم ہے ، چاہے وہ فرد واحد کی ہی لائی ہوئی کیوں نہ ہو (۱۳) ۔

مخالفین نے ان آیات سے استدلال پر بھی اعتراضات کئے ہیں ۔ اور علماء اصول نے ان کے جوابات بھی دیئے ہیں ۔ لیکن طوالت کے خوف سے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں ۔

خبر واحد کی حجیت کو ثابت کرنے کے لئے علماء اصول نے احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ ذیل میں ہم چند احادیث نقل کرتے ہیں جو امام شافعی نے اپنے رسالہ میں نقل کی ہیں :

عن عبداللہ بن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظها و وعاها واداها فرب حامل فقه غیر فقیه ، ورب حامل فقه الی من هو افقه منه ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا اس بندہ کو سرسبز و شاداب رکھے جو میری بات سنے ، پھر اس کو یاد کرے اور اس کو یاد رکھے اور اس کو دوسروں تک پہنچا دے ۔ کیونکہ بہت سے شرعی احکام کا علم رکھنے والے خود سمجھدار اور صاحب فہم نہیں ہوتے ، اور بہت سے لوگ جن کو احکام پہنچائے جاتے ہیں وہ ان سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں جو ان کو وہ احکام پہنچاتے ہیں ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو خواہ وہ خبر واحد ہی ہو ، اپنی بات سننے ، اس کو یاد کرنے ، اور پھر دوسروں تک اس کو پہنچانے کی ترغیب دی ہے ، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی طرف سے دوسروں تک صرف وہی بات پہنچائی جائے جو ان کے لئے حجت و دلیل ہو ۔ ظاہر ہے کہ آپ کی طرف سے صرف وہی بات پہنچائی جائے گی جو حلال ہو تاکہ اس پر عمل کیا جائے ، جو حرام ہو کہ اس سے بچا جائے ، کوئی حد ہو کہ اس کو جاری کیا جائے ، مال کے بارے میں کوئی حکم ہو کہ اس کو لیا جائے یا دیا جائے ، یا دین و دنیا کے بارے میں کوئی خیر خواہی کی بات ہو ۔ اس حدیث سے ہمیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایسے شخص کو بھی دوسروں کو شرعی احکام پہنچانے کی اجازت ہے جس کا حافظہ اچھا ہو ، چاہے وہ خود فقیہ نہ ہو ، یعنی شرعی احکام میں فہم و بصیرت نہ رکھتا ہو ۔ اور ہو سکتا ہے جس کو وہ بات پہنچا رہا ہے وہ اس سے زیادہ سمجھدار ہو ۔

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صاحب نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے

لیا ۔ اس پر وہ بہت فکرمند ہوئے اور اپنی بیوی کو اس کے بارے میں حکم دریافت کرنے بھیجا ۔ وہ ام سلمہ کے پاس آئیں ، اور ام سلمہ نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بھی اپنی ازواج کا بوسہ لے لیا کرتے تھے ۔ انہوں نے اپنے خاوند کو یہ سب بات بتائی ۔ لیکن وہ اس سے مطمئن نہیں ہوئے اور یہ کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نہیں ہیں ۔ اللہ تعالی اپنے پیغمبر کے لئے جو چاہے حلال کر دے ۔ وہ خاتون دوبارہ حضرت ام سلمہ کے پاس آئیں اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے ۔ آپ کے دریافت کرنے پر حضرت ام سلمہ نے سارا واقعہ بیان کر دیا ۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ کیا تم نے یہ نہیں بتایا کہ میں بھی ایسا کرتا ہوں ۔ حضرت ام سلمہ نے جواب دیا کہ میں نے یہ سب بتا دیا تھا لیکن وہ مطمئن نہیں ہوئے اس کے بعد حضرت ام سلمہ نے اس کے خاوند کی وہ بات دہرا دی ۔ آپ اس کی یہ بات سن کر ناراض ہوئے ۔ اور یہ فرمایا کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں ۔ اور اس کے احکام کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں ۔ اس حدیث کو نقل کرکے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے یہ فرمایا کہ کیا تم نے اس کو یہ نہیں بتایا کہ میں بھی ایسا کرتا ہوں ۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ام سلمہ کا اس خاتون سے یہ حدیث بیان کرنا اس کے لئے حجت تھا ۔ اور اس کا قبول کرنا اس پر لازم تھا ۔ اسی طرح اس کے خاوند پر بھی لازم تھا کہ جو حدیث اس کی بیوی نے حضرت ام سلمہ سے سنی تھی اس کو مان لیتا ، اگر وہ سچی تھی ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز قباء کی مسجد میں صحابہ کرام فجر کی نماز ادا کر رہے تھے ۔ اتنے میں ایک

آنے والا آیا اور اس نے یہ کہا کہ گذشتہ رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تحویل قبلہ کے بارے میں قرآن مجید میں حکم نازل ہو چکا ہے۔ اور آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں۔ اس وقت وہ شام کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے اپنے چہرے کعبہ کی طرف پھیر لئے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قباء کے رہنے والے صحابہ کا تعلق ان لوگوں سے تھا جو شروع میں ہی اسلام لے آئے تھے۔ اور شرعی احکام میں انہیں فہم و بصیرت حاصل تھی۔ شروع سے ہی وہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے جو خدا نے ان پر فرض کیا تھا۔ انہوں نے اس فرض شدہ حکم کو ایسی خبر سن کر چھوڑ دیا جو ان کے لئے حجت تھی۔ حالانکہ وہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور نہ ہی تحویل قبلہ کے بارے میں انہوں نے کوئی آیات سنیں۔ اور نہ ہی ان کو کثیر تعداد میں لوگوں نے یہ خبر سنائی۔ بلکہ ان کو ایک صادق و ثقہ شخص نے یہ خبر دی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اور انہوں نے اس کو بلاچون و چرا تسلیم کر لیا۔ اگر خبر واحد کا قبول کرنا ان کے لئے جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ فرماتے کہ جس قبلہ کی تم اتباع کر رہے تھے اس کو تمہیں مجھ سے حکم سن کر ہی چھوڑنا چاہیئے تھا، یا عام لوگ خبر دیتے، یا ایک سے زائد لوگ خبر دیتے کہ میں نے ایسا حکم دیا ہے۔ لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔

اس کے بعد امام شافعی نے ایک صحابی کے حرمت شراب کے بارے میں اعلان اور صحابہ کرام کے شراب کے مٹکے توڑنے، ایک صحابی کو ایک زانیہ عورت کو اعتراف زنا کی صورت میں رجم کرنے،

حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج مقرر کرکے بھیجنے ، مختلف ممالک کے بارہ حکمرانوں کے پاس ایک ایک صحابی کے ذریعہ دعوت اسلام کے خطوط بھیجنے ، اور اپنے گورنروں کو شرعی احکام سے مطلع کرنے کے لئے ایک صحابی کو بھیجنے یا خطوط روانہ کرنے سے متعلق احادیث نقل کی ھیں ۔ اور ان سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر راوی ثقہ و صادق ہو ، چاھے وہ اکیلا ھی کیوں نہ ہو ، تو اس کی خبر قابل قبول ہے (۱۴) ۔

آمدی نے کتاب وسنت سے خبر واحد کی حجیت ثابت کرنے پر اعتراضات کئے ھیں ۔ اور ان کے نزدیک اس مسئلہ میں استدلال کا قریب ترین راستہ اجماع صحابہ ہے ۔ امام شافعی نے بھی تعامل صحابہ اور اجماع سے خبر واحد کی حجیت کو ثابت کیا ہے ۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے دادی کی میراث کا مسئلہ پیش ہوا ۔ آپ کو اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا ۔ لیکن مغیرہ بن شعبہ نے آپ کو یہ بتایا کہ آپ نے دادی کو چھٹا حصہ دلایا تھا ۔ اس خبر کی تائید محمد بن مسلمہ نے بھی کی ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس خبر کو قبول کر لیا ۔ حضرت عمرؓ کو مجوس سے جزیہ لینے کے بارے میں کسی حدیث کا علم نہیں تھا ۔ لیکن جب عبدالرحمن بنؓ عوف نے انہیں یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ان کے ساتھ بھی اھل کتاب جیسا سلوک کرو ۔ تو انہوں نے اس حدیث کو قبول کرکے مجوس سے جزیہ وصول کیا ۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے حمل بن مالک کی روایت کو جنین کی دیت کے بارے میں تسلیم کر لیا ۔انھوں نے بتایا کہ ان کی دو بیویاں آپس میں لڑ پڑیں ایک نے

دوسری کو بیلن پھینک کر مارا ۔ ان میں سے ایک حاملہ تھی ، بیلن کی ضرب سے اس کا اسقاط ہو گیا ، اور بچہ مر گیا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ایک غُرّہ یعنی پانچ سو درھم یا دیت کا بیسواں حصہ دلایا ۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر ہم یہ حدیث نہ سنتے تو اس کے خلاف فیصلہ کرتے ۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں ہم تو اپنی رائے سے ہی فیصلہ کرنے والے تھے ۔ اسی طرح حضرت عمرؓ خاوند کی دیت میں سے اس کی بیوی کو حصہ دینے کے قائل نہیں تھے ۔ لیکن ضحاک بن سفیان نے انہیں یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیم الضبابی کی دیت میں سے اس کی بیوی کو حصہ دلوایا تھا ۔ حضرت عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ انگلیوں کی نصف دیت ہے اور انگلیوں کے درمیان فرق کرتے تھے ۔ لیکن عمرو بن حزم نے انہیں یہ بتایا کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے ۔

حضرت عثمان و علی کو پہلے یہ علم نہیں تھا کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اس کو اس کے خاوند کے گھر میں عدت گذارنا چاہیئے ۔ لیکن فریعہ بنت مالک نے انہیں یہ بتایا کہ خود ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے خاوند کے گھر میں عدت گذارنے کے لئے حکم فرمایا تھا ۔ ان کے خاوند کے پاس اپنا ذاتی کوئی مکان نہیں تھا ۔ اس لئے وہ اپنے گھر والوں کے پاس جاکر عدت گذارنا چاہتی تھیں ۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ امکثی فی بیتک حتی یبلغ الکتاب اجلہ یعنی عدت پوری ہونے تک تم اپنے گھر میں ہی ٹھہری رہو ۔

حضرت عبداللہ بن عباس سوائے ربا النسیئہ کے دوسری چیزوں

میں ربا کے قائل نہیں تھے ۔ لیکن ابو سعید خدری نے جب ان کو یہ بتایا کہ اگر اشیاء کا تبادلہ یا بیع ھاتھ کے ھاتھ ھو ، اور اس میں ربا الفضل ھو تو یہ بھی ربا ہے۔ یہ سن کر آپ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا ۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ھم چالیس سال مزارعت پر عمل پیرا رھے ۔ لیکن رافع بن خدیج نے ھمیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے تو ھم نے اس کو ترک کر دیا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت صحابہ کرام کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ انبیاء کو کہاں دفن کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے یہ حدیث بیان کی کہ انبیاء جس جگہ وفات پاتے ھیں وھیں ان کو دفن بھی کیا جاتا ہے۔

اس قسم کی بے شمار روایتیں صحابہ سے مروی ھیں ۔ جن سے خبر واحد کی حجیت ثابت ھوتی ہے۔ ان پر مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ سب اخبار آحاد ھیں ۔ خبر واحد کی حجیت خود خبر واحد سے کیسے ثابت ھو سکتی ہے ؟ یہ تو دور ممتنع ہے ۔ علماء اصول نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے مجموعی طور پر ان کو قبول کر لیا تھا ۔ ان کا ان احادیث پر عمل تھا۔ ۔ اور کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی ۔ اس لئے ان احادیث کو اجماع صحابہ کی تائید حاصل ہے۔ ان کی حیثیت اخبار آحاد کی نہیں ہے (۱۵) ۔

امام شافعی نے تابعین کے اقوال سے بھی خبر واحد کی حجیت کو ثابت کیا ہے۔ (۱٦)۔ لیکن طوالت کے خوف سے ھم ان اقوال کو نظر انداز کرتے ھیں ۔

اب ہم مخالفین کے اعتراضات اور علماء اصول کی طرف سے ان کے جوابات نقل کرتے ھیں ۔

مخالفین اپنے موقف کی تائید میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ھیں :

ولا تقف ما لیس لک به علم (اسراء ـ ٣٦)

اے مخاطب جس بات کی تمھیں تحقیق نه ھو اس کے پیچھے نه ھو لیا کرو

وان تقولوا علی الله ما لا تعلمون (بقره ـ ١٦٩)

اور یه که الله تعالی پر بے جانے بوجھے بھتان نه باندھو

وما شھدنا الا بما علمنا (یوسف ـ ٨١)

ھم نے جو کچھ دیکھا ہے وہ ھم بیان کرتے ھیں

یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالة (حجرات ـ ٦)

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس خبرکی خوب تحقیق کر لیا کرو ، ایسا نه ھو که تم کچھ لوگوں کو اپنی لاعلمی کے سبب کوئی ضرر پھنچا دو ۔

یه سب آیتیں واضح طور پر بتاتی ھیں که جب تک شرعی حکم کا یقینی علم نه ھو اس وقت تک دوسرے کو نھیں بتانا چاھیئے ۔ امام غزالی نے ان کا جواب دیا ہے ۔ وہ کھتے ھیں که ان کا یه استدلال باطل ہے ۔ اول یه که ان کا خبر واحد کا انکار کسی قطعی دلیل سے ثابت نھیں ۔ بلکه ان کا یه موقف غلط بھی ھو سکتا ہے ۔ ان کا یه فیصله بغیر کسی یقینی علم کے ہے ۔ دوم یه که خبر واحد پر عمل کرنا اجماع کی قطعی دلیل سے ثابت ہے ۔ سوم یه که گواہ کو ایسی گواھی دینے سے منع کیا گیا ہے جس کو اس نے نه دیکھا ھو اور نه سنا ھو ۔

اور کوئی ایسا فتویٰ نہ دے جو نہ سلف سے مروی ہو ، اور نہ ہی اسے عادل راویوں نے نقل کیا ہو ۔ چہارم یہ کہ اگر ان کی اس دلیل سے خبر واحد کو رد کیا جا سکتا ہے تو دو اور چار شخصوں کی گواہی کو بھی رد کیا جا سکتا ہے ۔ اسی طرح ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو اور قسم کے ساتھ جو فیصلہ کیا جاتا ہے اس کو بھی رد کیا جا سکتا ہے ۔ یوں تو قرآن مجید کی نصوص سے جو حکم ثابت ہے اس میں جھوٹ کا امکان بتایا جا سکتا ہے ۔ اسی طرح خبر واحد میں بھی یہ امکان ہے ۔ پنجم یہ کہ اگر ہر معاملہ یقین پر ہی مبنی ہو ، تو خلفاء اور قاضیوں کا تقرر کرنا بھی حرام ہو جائے گا ، کیونکہ ان کا تقوی و پرہیزگاری تو الگ رہے ، ان کے ایمان کے بارے میں بھی ہمیں کوئی یقینی علم نہیں ۔ اسی طرح کسی شخص کو نماز میں امام بھی نہیں بنایا جا سکتا ، کیونکہ ہمیں اس کی جنابت اور حدث کے بارے میں کوئی قطعی علم نہیں ۔ اس لئے کسی شخص کو اس کی اقتداء نہیں کرنی چاہیئے (۱۷) ۔

آمدی نے ان آیات سے استدلال کا جواب یہ دیا ہے کہ شریعت نے ہمیں مفتی کے فتویٰ اور گواہوں کی گواہی پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے ، حالانکہ ان دونوں میں جھوٹ اور غلطی کا احتمال موجود ہے (۱۸)

مخالفین نے سنت سے بھی استدلال کیا ہے ۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے نماز میں سہو ہوگیا ۔ اور آپ نے چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پڑھی سلام پھیر دیا ۔ ایک صحابی نے جو ذوالیدین کے نام سے مشہور تھے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ، کیا نماز میں رکعتوں کی تعداد کم ہوگئی ہے ، یا آپ بھول گئے ہیں ۔ آپ نے ان کی بات

کو تسلیم نہیں کیا ۔ لیکن اس کی تصدیق حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نیز جماعت میں شریک دوسرے مسلمانوں نے کی تو آپ نے نماز مکمل فرمائی ، اور آخر میں سجدہ سہو کیا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر واحد حجت نہیں ہے ۔ ورنہ آپ ذوالیدین کی بات مان لیتے ۔

آمدی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اتنے بڑے مجمع میں صرف ایک شخص نے یہ سوال کیا، اور باقی سب خاموش رہے ؛ اس لئے آپ کو یہ خیال گذرا ہوگا کہ ذوالیدین کو شاید وہم ہوگیا ہے ۔ اس لئے آپ نے توقف فرمایا ۔ بلکہ خبر واحد میں اگر کوئی ایسی علامت موجود ہو جو یہ بتائے کہ اس خبر میں غلطی کا امکان موجود ہے تو اس میں توقف کرنا بہتر ہے ۔ تاہم جب دوسرے لوگوں نے بھی اس تصدیق کر دی تو آپ نے اس کو تسلیم کر لیا ۔ اور اس کے مطابق عمل کیا ۔ یہ بات واضح رہے کہ آپ کا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بات کو تسلیم کرنا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نے خبر واحد پر عمل کیا ، کیونکہ ان کی خبر بھی تواتر کی حد تک نہیں پہنچتی (۱۹)۔

مخالفین کی طرف سے خبر واحد پر مندرجہ ذیل عقلی اعتراضات بھی کئے گئے ہیں ۔

اول یہ کہ اگر خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہے ، جبکہ فروع احکام میں اس کی صداقت کا ظن موجود ہو ، تو رسالت اور اصول احکام میں بھی اس پر عمل کرنا واجب ہونا چاهئیے ، حالانکہ یہ ممتنع ہے ۔ علماء اصول نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے ۔ رسالت اور اصول احکام دلیل قطعی سے ثابت ہونے

هیں ۔ ان میں دلیل ظنی معتبر نہیں ۔ اس کے برخلاف فروع احکام دلیل ظنی سے ثابت ہوتے ہیں ۔ اس لئے خبر واحد ان میں معتبر ہے ۔ علاوہ ازیں فتوی اور شہادت دونوں ظنی ہیں ، لیکن ان کو قبول کرنا واجب ہے ۔

دوم یہ کہ حقوق ، عبادات ، اور مشقت برداشت کرنے کے معاملہ میں ہر شخص کو ابتدا میں بری الذمہ (ہر قسم کی ذمہ داری سے آزاد) سمجھا گیا ہے ۔ یعنی جب تک ذمہ داری کا کوئی ثبوت نہ ہو آدمی ہر قسم کی ذمہ داری سے آزاد سمجھا جاتا ہے ۔ اور یہ حکم قطعی ہے ۔ لیکن بعض ذمہ داریاں خبر واحد سے ثابت ہوتی ہیں ، اور خبر واحد ظنی ہے ۔ اس لئے خبر واحد سے ایک قطعی حکم کی مخالفت کیسے جائز ہو سکتی ہے ۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ذمہ داری سے بری ہونا انسان کے وجود اور مکلف ہونے سے پہلے قطعی ہے ۔ لیکن موجود اور مکلف ہونے کے بعد غیرقطعی ہے بلکہ اس صورت میں کسی نہ کسی ذمہ داری کا احتمال ہمیشہ موجود رہتا ہے گو ہمیں اس کا سبب معلوم نہ ہو ۔ اس لئے خبر واحد سے ذمہ داری سے بری ہونے کی مخالفت دلیل ظنی سے دلیل قطعی کو دور کرنا نہیں ہے ۔ نیز یہ کہ شریعت نے فتوئ اور شہادت قبول کرنے کا حکم دیا ہے ۔ اور یہ دونوں چیزیں ظنی ہیں ۔ اس لئے یہ اعتراض درست نہیں ۔

سوم یہ کہ ایک خبر واحد پر عمل دوسری خبر واحد پر ترک عمل کی طرف لے جاتا ہے ۔ کیونکہ ہر خبر کے ساتھ اس کے مقابلہ میں دوسری خبر ضرور موجود ہوتی ہے ۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ایک خبر کے مقابلہ میں دوسری خبر سے جو اس کے معارض ہو

استدلال کرنا ممنوع نہیں ھے ۔ ورنہ قرآن مجید کے ظاھری احکام اور متواتر احادیث سے استدلال جائز نہیں ھوتا ، کیونکہ ھر حکم کا ناسخ اور مخصص ضرور موجود ھوتا ھے ۔ ورنہ کسی مستنبط اور معارض دلیل سے استدلال کرنا ، قاضی کا دو گواھوں کی شہادت پر فیصلہ دینا ، اور عوام کے لئے مجتہد کا فتویٰ قبول کرنا جائز نہ ھوتا ۔ اس کا سبب یہ ھے کہ ایک دلیل کے مقابلہ میں دوسری دلیل ، ایک گواھی کے مقابلہ میں دوسری گواھی ، اور ایک فتویٰ کے مقابلہ میں دوسرے فتویٰ کا ھمیشہ احتمال موجود ھوتا ھے ۔ اور یہ اجماع کے خلاف ھے ۔ اس لئے یہ اعتراض درست نہیں ۔

چہارم یہ کہ خبر واحد کا قبول کرنا اس ایک شخص کی تقلید کرنا ھے جو اس حدیث کی روایت کرتا ھے ۔ اس کا اطلاق مجتہد پر بھی ھوتا ھے ۔ حالانکہ مجتہد کے لئے کسی کی تقلید کرنا جائز نہیں جب ایک مجتہد کے لئے دوسرے کی تقلید جائز نہیں تو ایک عام شخص کی تقلید جو مجتہد نہیں ھے کیسے درست ھو سکتی ھے ؟

اس کا جواب یہ ھے کہ اجتہاد کے معاملہ میں ایک عالم دوسرے کے برابر ھوتا ھے ۔ اس لئے ایک کی تقلید دوسرے کے لئے درست نہیں ۔ اور نہ ایک کی تقلید دوسرے کے لئے افضل ھے ۔ لیکن اس اصول کا اطلاق راوی کے مقابلہ میں مجتہد پر نہیں ھوتا ۔ کیونکہ راوی اور مجتہد علم میں برابر نہیں ھوتے ۔ راوی کو جس حدیث کا علم ھے وہ مجتہد کو نہیں ۔ اس لئے مجتہد راوی کی تقلید فرض ھے ۔

ان دلائل کے خاتمہ پر آمدی نے ایک فیصلہ کن بات کہی ھے ـ وہ یہ کہ خبر واحد کی حجت پر اجماع سے استدلال کی صورت میں بھی اسی قسم کے اعتراضات کئے جا سکتے ھیں ، خبر واحد کی حجیت پر اجماع سے استدلال ظنی دلائل میں سب سے زیادہ قریب ھے ـ جو لوگ خبر واحد کی حجیت کے مسئلہ کو قطعی مانتے ھیں ان کے پاس اس کا نفی یا اثبات میں کوئی جواب نہیں ھے ـ جو لوگ اس کو ظنی سمجھتے ھیں تو وہ اس قسم کے دلائل کا سہارا لے سکتے ھیں جو ھم نے اوپر بیان کئے (۲۰)ـ

خبر واحد کی حجیت کی تائید میں شہادت کو بار بار پیش کیا جاتا ھے ـ کیونکہ شہادت ظن پر مبنی ھے ، اور شریعت میں معتبر ھے، اس لئے خبر واحد کو اس پر قیاس کہا جا سکتا ھے ـ مخالفین یہ کہتے ھیں کہ خبر واحد اور شہادت ظنی ھوتے ھیں تو مشترک ھیں لیکن ان دونوں کے درمیان بعض بنیادی فرق ھیں ـ

اول یہ کہ شہادت ایسے معاملات میں معتبر سمجھی جاتی ھے جن میں مصالحت جائز ھو ، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جو خبر دی جائے ان سے مصالحت کا کوئی تعلق نہیں ھے ـ اس لئے شہادت میں مفسدہ یعنی خرابی کا امکان بہت بعید ھے ـ علماء اصول نے اس کا جواب یہ دیا ھے کہ یہ بات معاملات کی جملہ اقسام سے متعلق احادیث کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی ـ معاملات سے متعلق بعض احادیث ایسی بھی ھیں جن میں صلح جائز ھے ـ علاوہ ازیں یہ بات بھی درست نہیں ھے کہ شہادت صرف انھی معاملات تک محدود ھے جن میں صلح جائز ھو ـ بعض ایسے معاملات بھی ھیں جن میں صلح جائز نہیں ھے ، لیکن ان میں شہادت دی جاتی ھے ، جیسے قتل اور نکاح ـ

دوم یہ کہ خبر واحد کا تقاضا یہ ھے کہ اس سے کوئی شرعی حکم ثابت ھو لیکن شہادت سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ھوتا ۔ اس کا جواب یہ ھے کہ ، یہ کہنا درست نہیں کہ شہادت سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ھوتا ،

قصاص میں قتل کا وجوب ، اور چوری کی صورت میں ھاتھ کاٹنا شہادت سے ھی ثابت ھوتے ھیں ۔

سوم یہ کہ شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کرنا دلیل قطعی یعنی اجماع سے ثابت ھے ۔ نیز یہ کہ شہادت شرط ھے ؛ حکم کو ابتدائی طور پر ثابت نہیں کرتی ۔ لیکن خبر واحد حکم شرعی کو ثابت کرتی ھے ۔ اس کا جواب یہ ھے کہ خبر واحد اور شہادت میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں کہ شہادت اور خبر واحد دونوں پر عمل کرنے کے لئے کوئی ایسی دلیل ضرور چاھئیے جو موجب عمل ھو (۲۱)۔

بعض مخالفین خبر واحد کو شہادت پر قیاس کرتے ھیں ۔ اس لئے ان کے نزدیک خبر واحد کے راوی کم از کم دو ھونا چاھئیے ۔ امام شافعی اس کے جواب میں یہ کہتے ھیں کہ خبر اور شہادت دو مختلف چیزیں ھیں ۔ ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کہا جا سکتا ۔ بعض چیزوں میں دونوں مشترک ھیں اور بعض میں مختلف ۔ مثلاً مندرجہ ذیل چیزوں میں دونوں مختلف ھیں ۔ حدیث کو ایک مرد یا ایک عورت روایت کر سکتی ھے ، لیکن شہادت کے لئے کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ھونا ضروری ھے ۔ حدیث بیان کرتے ھوئے راوی کا سند بیان کرنا ضروری ھے کہ اس نے فلاں سے سنا ھے ۔ لیکن شہادت میں لفظ شہادت ، یا میں نے سنا ھے یا دیکھا ھے وغیرہ کے الفاظ ضروری ھیں ۔ احادیث کئی قسم کی ھوتی ھیں ،

کتاب ، سنت ، اجماع یا قیاس سے استدلال کر کے ان کو قبول کیا جا سکتا ہے ، لیکن شہادت میں ایسا نہیں ہے ۔ حدیث کی روایت کے لئے ضروری ہے کہ راوی کو الفاظ بھی یاد ہوں ، لیکن شہادت میں روایت الفاظ ضروری نہیں ۔ عادل کی شہادت قبـول ہو جاتی ہے ۔ لیکن بعض اوقات حدیث قبول نہیں کی جاتی ، مثلاً یہ کہ وہ مدلس ہو ، یا الفاظ یاد نہ ہوں ، یا حدیث کا مفہوم ھی نہ سمجھتا ہو ۔ خبر واحد کا حکم سب پر لازم ہوتا ہے ، لیکن شہادت دوسروں کے حق میں ہوتی ہے ، اپنے حق میں نہیں ۔ مثلاً شہادت سے دوسرے کو سزا دی جاتی ہے ، لیکن اس کا اطلاق خود شاھد پر نہیں ہوتا ۔ شہادت میں جانبداری کا گمان ہو سکتا ہے ، لیکن روایت حدیث میں اس کا امکان کم ہوتا ہے ۔ تاہم حدیث کی روایت میں جھوٹ کا گمان ہو سکتا ہے ، اس لئے روایت حدیث کا معیار سخت ہے ۔ اور حدیث میں جھوٹ بولنے پر جہنم کی وعید بھی ہے(۲۲) مختصر یہ کہ خبر واحد کی حجیت قرآن مجید سے ، سنت سے ، تعامل و آثار صحابہ سے اور اجماع امت سے ثابت ہے ۔ اور عقل بھی یہ تقاضا کرتی ہے کہ جب ہر ایک واقعہ کے باب میں خبر متواتر اور مشہور نہیں پائی جاتی تو خبر واحد کو قبول کیا جائے گا ۔ اگر وہ رد کر دی جائے گی تو سب معاملات معطل ہو جائیں گے ۔

خبر واحد کے بارے میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ یہ مفید علم یقینی ہے یا مفید ظن ۔ اور موجب عمل ہے یا نہیں ۔ اس بارے میں کئی نظریئے پائے جاتے ہیں ۔

اول : اگر خبر براہ راست نبی نے دی ہے تو وہ مفید علم یقینی ہے ۔ اس پر سب کا اتفاق ہے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے ۔ اور اس کی دی ہوئی خبر میں صدق و کذب کا احتمال نہیں ہے

دوم : اگر کسی عادل شخص نے خبر دی ھے اور اس میں خبر واحد کے وہ تمام شرائط پائے جاتے ھیں جو علماء اصول نے اس کے لئے لگائے ھیں تو یہ موجب عمل ھے ، موجب علم یقینی نہیں ۔ اور نہ ھی موجب علم طمانینت ھے ۔ جمہور فقہاء کا یہی نقطہ نظر ھے ۔ ان کے نزدیک خبر واحد کے ساتھ قرینہ کی کوئی قید نہیں ھے ۔

خبر واحد کے موجب عمل ھونے کے بارے میں دلائل وھی ھیں جو اس کی حجیت کے بارے میں پہلے گذر چکے ھیں ، یعنی قرآن مجید کی بعض آیات ، احادیث ، صحابہ کا عمل اور اجماع ۔ اجماع صحابہ کے علاوہ معاملات میں خبر واحد عادل کو قبول کرنے پر پوری امت کا اجماع بھی ھے ۔ مثلاً کوئی شخص پانی کی طہارت یا نجاست کے بارے میں خبر دے تو اس کا قبول کرنا سب کے نزدیک درست ھے ۔ کوئی شخص یہ خبر دے کہ فلاں شخص نے تمہارے لئے یہ چیز تحفہ میں بھیجی ھے یا مجھے اس چیز کو بیچنے کے لئے وکیل مقرر کیا ھے تو اس خبر کو قبول کرنا سب کے نزدیک صحیح ھے ۔

خبر واحد عقلی طور پر بھی موجب عمل ھے، کیونکہ ھر خبر مین صدق و کذب کا احتمال ضرور ھوتا ھے، لیکن ایک عادل شخص کی خبر کو اس کے سچا ھونے کی وجہ سے ترجیح دی جاتی ھے ۔ تاھم اس میں سہو اور کذب کا احتمال باقی رھتا ھے ، اسی لئے خبر واحد موجب علم یقینی نہیں ھے ۔ لیکن عمل کے واجب ھونے کے لئے علم یقینی ضروری نہیں ھے ، ھم قیاس پر محض غالب رائے کو بنیاد پر عمل کرتے ھیں ؛ اس طرح قاضی و حاکم شہادت اور ثبوت کی بنیاد پر فیصلے دیتے ھیں ؛ یہ سب مفید ظن ھیں ، موجب علم یقینی نہیں۔ خبر واحد میں سہو اور کذب کے امکان کے سبب اس سے علم

طمانینت اور علم یقینی حاصل نہیں ہوتا ۔ اس خبر سے جو علم حاصل ہوتا ہے اس میں ایک قسم کا اضطراب باقی رہتا ہے ۔ اس لئے خبر واحد سے حاصل شدہ علم ظنی ہوتا ہے ۔ اگر اس سے علم یقینی حاصل ہو تو بعض اوقات دو معلوم چیزوں میں تناقض بھی ہو سکتا ہے ، کیونکہ کبھی دو عادل شخص دو متناقض باتوں کی خبر بھی دے سکتے ہیں ۔ اس طرح اجتماع نقیضین لازم آئے گا ۔ اسی لئے امام غزالی نے یہ کہا ہے کہ خبر واحد بالضرورۃ موجب علم یقینی نہیں ہے ۔ کیونکہ ایک ہی وقت میں دو متضاد خبروں کی تصدیق ہم نہیں کر سکتے ۔

سوم : ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ خبر واحد نہ موجب علم ہے اور نہ موجب عمل دین میں خبر واحد کا کوئی مقام نہیں ۔ منکرین کے دو فریق ہیں ۔ ایک فریق عقلی طور پر اس کا منکر ہے ۔ یہ جبائی اور متکلمین کا ایک گروہ ہے ۔ دوسرا سمعی طور پر اس کا انکار کرتا ہے ، یہ قاشانی ، ابن داؤد اور روافض ہیں ۔ جو عقلی طور پر اس کے منکر ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل قدرت والا ہے ۔ اس کو دلیل قطعی یعنی علم یقینی کو چھوڑ کر دلیل ظنی پر اپنی شریعت کی بنیاد رکھنے کی کیا ضرورت تھی ؟ اگر کوئی شخص کوئی ایسی حدیث روایت کرے جس میں قتل کی سزا کا حکم ہو ، یا کسی عورت کے حلال ہونے کا حکم ہو ، اور بعد میں وہ جھوٹی ثابت ہو تو ان کی تلافی نہیں ہو سکتی ۔ حالانکہ قتل اور نکاح میں حلت و حرمت تو شارع کے حکم سے ثابت ہیں ، اس صورت میں شارع کے احکام کی بنیاد جہالت اور توھم پر سمجھی جائے گی ۔ اس لئے جب تک شارع کا حکم واضح اور یقینی طور پر

همیں معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کو نقل نہیں کرنا چاھئیے ۔ تاہم یہ فریق معاملات میں خبر واحد کی حجیت کو تسلیم کرتا ھے ۔ ان کی دلیل یہ ھے کہ حقوق اللہ میں تو خبر واحد قبول نہیں کی جا سکتی کیونکہ اللہ تعالی کسی ضرورت اور عجز سے پاک ھے ۔ تاھم حقوق العباد یعنی معاملات میں بندے اپنے ہر حق کو شک و شبہ سے بالاتر ہو کر اور قطعی اور یقینی طور پر ظاہر نہیں کر سکتے ۔ اگر معاملات میں بھی خبر واحد کا دروازہ بند کر دیا جائے تو دنیا کے کاروبار میں رکاوٹ پڑ جائے ۔ اس لئے ضرورت کی بنا پر معاملات میں خبر واحد پر اعتماد کرتے ھیں ۔

جو لوگ سمعی طور پر خبر واحد کے موجب علم و عمل ہونے کا انکار کرتے ھیں وہ قرآن مجید کی یہ آیات پیش کرتے ھیں :

ولا تقف مالیس لک به علم (اسراء ـ ۳٦)

اے مخاطب جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو

ولاتقولوا علی اللہ الا الحق (نساء ـ ۱۷۰)

اللہ تعالی کی نسبت سوائے حق بات کے اور کچھ نہ کہو

ان الظن لایغنی من الحق شئیا (یونس ـ ۳٦)

اور بلاشبہ امر حق کے مقابلہ میں گمان اور اٹکل کی باتیں ذرا بھی مفید نہیں ہو سکتیں ۔

خبر واحد کی حجیت کے انکار کے سلسلہ میں یہ آیات پہلے بھی گذر چکی ھیں ۔ اور منکرین کا ان سے استدلال یہ ھے کہ اللہ تعالی نے ھمیں اس بات کو دوسروں تک پہنچانے سے منع کیا ھے جس کا ھمیں یقینی علم نہ ہو ۔ نیز ظن پر عمل کرنے کو حرام قرار دیا ھے ۔ ظن پر عمل کے بارے میں اس سے پہلے بھی مخالفین کے شبہات کا

جواب دیا جا چکا ھے ۔ مزید یہ کہ خبر واحد پر عمل محض ظن پر عمل نہیں ھے ، بلکہ اس پر عمل اجماع سے ثابت ھےدوم یہ کہ جن آیتوں میں ظن پر عمل کو حرام قرار دیا گیا ھے ان کا اطلاق اصول دین پر ھوتا ھے ۔ عام معاملات اور اعمال میں شریعت نے ظن کا اعتبار کیا ھے ۔ اور یہ قطعی دلائل سے ثابت ھے ۔ سوم یہ کہ اس سے رائے پر عمل باطل ھو جاتا ھے ، حالانکہ اس پر سب کا اتفاق ھے کہ رائے پر عمل کرنا درست ھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو رائے اور ظن پر عمل سے اس لئے منع کیا گیا کہ آپ پر وحی آتی تھی۔ لیکن آپ کے بعد عام مسلمانوں کو ظن اور رائے پر عمل کرنے کی ممانعت سے سارے لوگ تنگی و مشقت میں پڑ جائیں گے ۔

اس فریق کی ایک دلیل یہ ھے کہ علم و عمل لازم و ملزوم ھیں ۔ علم کے بغیر عمل نہیں ھو سکتا ۔ جمہور کا نظریہ یہ ھے کہ خبر واحد موجب عمل ھے، لیکن موجب علم یقینی نہیں ۔ لیکن جب عمل کے لئے علم لازم ھے اور جمہور خود علم کی نفی کرتے ھیں، تو عمل کی نفی خود بخود ھو جاتی ھے ۔ اس لئے خبر واحد نہ موجب علم ھے اور نہ موجب عمل ۔ جمہور اس کا جواب یہ دیتے ھیں کہ یہ بات قابل تسلیم نہیں ھے کہ علم یقینی کے بغیر عمل ھو ھی نہیں سکتا ۔ اوپر قرآن مجید ، احادیث اور صحابہ کے آثار سے یہ بات ثابت کی جا چکی ھے کہ اخبار آحاد موجب عمل ھیں ،اگرچہ ظنی ھیں ۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ عمل کے لئے علم یقینی ھی ضروری ھے اور ظن کافی نہیں ۔

چہارم : بعض اھل حدیث اور احمد بن حنبل کا نظریہ ھے کہ خبر واحد موجب علم و عمل دونوں ھے ۔ موجب عمل ھونے کے

دلائل تو جمہور نے کتاب و سنت سے خود دیئے ہیں ۔ موجب علم یقینی ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ علم و عمل دونوں لازم و ملزوم ہیں ۔ جب خبر واحد موجب عمل ہے تو موجب علم یقینی بھی ہونی چاہئیے اس لئے یہ موجب علم ضروری ہے ۔ اس کے لئے کسی استدلال کی ضرورت نہیں ۔

اس کی مزید دو دلیلیں یہ ہیں ۔ آخرت سے متعلق ہمارے عقائد اخبار آحاد پر مبنی ہیں ۔ مثلاً عذاب قبر ، حشر کی تفصیلات ، پل صراط پر سے گذرنا ، حساب کتاب اور جنت دوزخ وغیرہ کی تفصیلات احادیث سے معلوم ہوتی ہیں ۔ ان پر اجماع ہے ۔ ان کا تعلق فروع سے ہے ، یہ مفید اعتقاد ہیں ، نہ کہ مفید عمل ۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ خبر واحد میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے ۔ لیکن خبرواحد میں عدالت شرط ہے ، اس لئے صداقت کے پہلو کو ترجیح دی جاتی ہے ۔ اور کذب کا احتمال باقی نہیں رہتا ۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خبر موجب علم یقینی ہے ۔ جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ احکام آخرت سے متعلق بعض احادیث تو مشہور ہیں جو موجب علم طمانیت ہیں ۔ اور بعض احادیث آحاد ہیں ۔ جو مفید ظن ہیں ۔ بعض متواتر بھی ہیں ۔ جو مفید یقین ہیں ۔ دوم یہ کہ احکام سے آخرت سے مقصود عقد قلبی ہے ، یعنی دل کا کسی چیز پر جم جانا ہے ۔ یہ بھی ایک عمل ہے ، جس کا تعلق ظاہری جوارح سے نہیں ، دل سے ہے ۔ اس لئے خبر واحد اس عمل کے لئے کافی ہے ۔ دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تو اس حد تک درست ہے کہ خبر واحد میں مخبر کے عادل ہونے کے سبب صدق کے پہلو کو ترجیح حاصل ہے ۔ لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ اس

میں کذب کا احتمال ھی سرے سے باقی نہیں رھتا ۔ اگر ایسا ھوتا تو یہ متواتر کی طرح موجب علم یقینی ھوتی ،حالانکہ ایسا نہیں ھے (۲۳)۔

پنجم : داؤد ظاھری کا خیال ھے کہ اھل حدیث کا یہ نظریہ درست نہیں کہ خبر واحد موجب علم ضروری ھے ، بلکہ خبر واحد موجب علم استدلالی ھے ۔ ان کی دلیل یہ ھے کہ اللہ تعالی نے اتباع ظن کو حرام قرار دیا ھے ۔ اور علم یقینی کی اتباع پر اجماع ھے ۔ اس لئے جب خبر واحد حجت ھے تو یہ موجب علم استدلالی ھو گی ، نہ کہ موجب علم ضروری یا ظنی ۔ اس کا جواب بھی اوپر گذر چکا ھے (۲۳)۔

ششم : خبر واحد اور قرینہ کے بارے میں متعدد نظریات پائے جاتے ھیں ۔ اول یہ کہ اگر خبر واحد کے ساتھ قرینہ بھی پایا جائے تو یہ موجب علم یقینی ھے ۔ ابن حاجب کے نزدیک یہی مختار نقطہ نظر ھے ۔ دوم یہ کہ قرینہ موجود ھونے کے باوجود خبر واحد موجب علم یقینی نہیں ۔ سوم یہ کہ قرینہ کے موجود نہ ھوتے ھوئے بھی خبر واحد موجب علم یقینی ھے ، لیکن لازم و ملزوم نہیں ۔ چہارم یہ کہ قرینہ کے بغیر بھی موجب علم یقینی ھے ، اور دونوں لازم و ملزوم ھیں ۔ یہ امام احمد کا نقطہ نظر ھے ۔

قرائن اور خبر واحد کے بارے میں قول فیصل یہ ھے کہ اگر قرائن خبر کے مضمون کا ثبوت فراھم کرتی ھوں اور وہ یقینی ھوں تو یہ قرائن موجب علم یقینی ھوں گی ، اور خبر لغو ھو گی ۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ۔ اگر قرائن قطعی نہیں ھیں ، تو اس سے مضمون خبر کے ثبوت میں احتمال باقی رھے گا ۔ اور خود خبر بھی مشکوک

رهے گی ۔ قرینہ سے یہ شک و شبہ زائل نہیں ہو گا ۔ اس لئے اس قسم کی خبر مفید ظن ہو گی ۔ ہاں اگر قرائن قطعی طور پر یہ بتلاتے ہوں کہ خبر دینے والا سچا ہے ، تو ان قرائن سے خبر کا سچا ہونا یقینی طور پر ثابت ہو جائے گا ۔ اور اس خبر کا مضمون یا اس سے متعلق واقعہ بھی سچا ہو گا ۔ لیکن اس قسم کے قرائن کو پہلے ثابت کرنا ضروری ہو گا ۔ اس کے بغیر ہم اس خبر کو یقینی طور پر سچا نہیں کہہ سکتے ۔ قرینہ اور خبر کے بارے میں ایک مشہور مثال اصول فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے ۔ کسی بادشاہ کے محل پر لوگ ماتم ہوتا دیکھتے ہیں ؛ بادشاہ خود بھی غمگین اور میلے کپڑوں میں نظر آتا ہے ۔ یہ سب اس بات کا قرینہ ہے کہ بادشاہ کے کسی قریبی عزیز کا انتقال ہو گیا ہے ۔ لیکن خبر کے بغیر صرف قرینہ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس عزیز کا انتقال ہوا ہے ۔ بادشاہ کے درباریوں میں سے کوئی شخص یہ خبر دیتا ہے کہ بادشاہ کے بیٹے کا انتقال ہوگیا ہے ۔ اب خبر سے مرنے والے کی تعیین ہو جاتی ہے ۔ تاہم خبر سچی بھی ہو سکتی ہے ، اور جھوٹی بھی ، کیونکہ ایک شخص کی خبر کو یقینی نہیں کہا جا سکتا ۔ آخر میں اگر بادشاہ یہ کہدے کہ بیٹے کی موت کی خبر کے بارے میں حال مشتبہ ہو گیا تھا اور اس کا انتقال نہیں ہوا تو اس یقینی خبر سے قرینہ اور سابق خبر دونوں زائل ہو سکتے ہیں (۲۵) ۔

امام شافعی کے نزدیک وہ خبر واحد مقبول ہے جس کا راوی عادل اور ثقہ ہو ۔ اور جس کی سند متصل ہو ۔ امام مالک کے نزدیک وہ خبر واحد مقبول ہے جو تعامل یا اجماع اہل مدینہ کے خلاف نہ ہو ۔ امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی وہی ہے جو امام شافعی کا ہے ۔

احناف کے نزدیک خبر واحد کے مقبول ہونے کی آٹھ شرطیں ہیں ۔ چار راوی سے متعلق اور چار روایت سے متعلق ۔ راوی سے متعلق چار شرطیں یہ ہیں کہ راوی مسلمان ہو ، عادل ہو ، عاقل و بالغ ہو ، حافظ پختہ ہو ، ان شرطوں کی تفصیلات ہم آیندہ مقالہ میں بیان کریں گے ۔ روایت سے متعلق چار شرطیں یہ ہیں ۔ اول یہ کہ خبر واحد نص قرآنی ، یا قرآن مجید کے کسی عمومی و ظاہری حکم کے مخالف نہ ہو ، دوم یہ کہ کسی مشہور حدیث کے مخالف نہ ہو ، سوم یہ کہ کسی ایسے واقعہ کے مخالف نہ ہو جو لوگوں کی کثیر تعداد کے سامنے پیش آیا ہو ۔ چہارم یہ کہ وہ حدیث متروک نہ ہو، اور صحابہ کرام نے اختلاف کے وقت اس سے استدلال نہ کیا ہو ۔ مثلاً بسرہ بنت صفوان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنا عضو تناسل چھولے اس کو چاہئیے کہ وہ وضو کرے ۔ امام ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے ۔ یہ خبر واحد ہے اور طہارت کے بارے میں قرآن مجید کی نص کے مخالف ہے ۔ وہ نص یہ ہے : فیه رجال یحبّون ان یتطهروا (توبه ـ ۱۰۸)

اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک صاف رہنا پسند کرتے ہیں ۔

یہ آیت اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو پانی سے استنجا کرتے تھے ۔ اور یہ ممکن نہیں ہے کہ طہارت کرتے ہوئے وہ عضو تناسل نہ چھوتے ہوں اگر اس سے وضو ٹوٹ جاتا تو پانی سے استنجاء کرنے کی تعریف نہ کی جاتی ، اور نہ اس سے طہارت جائز ہوتی ۔ اس طرح ایک دوسری حدیث ہے جس کو امام ترمذی نے بیان کیا ہے کہ عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا ، اس کی نماز نہیں ہو گی ۔ احناف کے نزدیک یہ حدیث نماز میں قرأت کے بارے میں قرآن مجید کے اس عمومی حکم کے خلاف ہے : فاقرؤا ماتیسر من القرآن (مزمل ۔ ۲۰) اب تم قرآن میں سے جو آسانی کے ساتھ پڑھ سکو پڑھ لیا کرو ۔ اس حدیث کے مقابلہ میں قرآن کا عمومی حکم قرأت کے بارے میں ترک نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لئے احناف کے نزدیک قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق نماز میں قرآن کا پڑھنا فرض ہے ۔ چونکہ اس آیت میں کسی خاص سورۃ کے پڑھنے کی تعیین نہیں ہے ۔ اس لئے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے ، فرض نہیں ۔ شافعی فقہاء کا ان دونوں احادیث پر عمل ہے ؛ لیکن حنفی فقہاء ان کی تاویل کرتے ہیں ۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی ۔

دوسری شرط کی تفصیل یہ ہے کہ خبر واحد کے لئے یہ لازمی شرط ہے کہ وہ خبر متواتر یا خبر مشہور کے خلاف نہ ہو ۔ کیونکہ خبر مشہور اور متواتر خبر واحد سے قوی ہوتی ہے ۔ مثلاً عمرو بن شعیب نے اپنی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی کہ بار ثبوت مدعی پر ہے ، اور جو شخص انکار کرے اس پر قسم لازم ہے ۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے ۔ یہ خبر مشہور ہے ۔ اس کے مقابلہ میں ایک خبر واحد ہے جس کو حضرت عبداللہ بن عباس نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم سے فیصلہ فرمایا ۔ یعنی مدعی کے پاس اگر ایک گواہ ہو تو وہ دوسرے گواہ کی جگہ وہ خود قسم کھائے ۔ اس طرح یہ قسم دوسرے گواہ کے قائم مقام ہوگی ۔

لیکن یہ حدیث دوسری مشہور حدیث کے مخالف ہے اس لئے اس پر عمل نہیں ہو گا ۔

تیسری شرط کی تفصیل یہ ہے کہ خبر واحد کسی ایسے واقعہ کے بارے میں ہو جو بےشمار لوگوں کے سامنے پیش آیا ہو ، لیکن اس کو نقل کرنے والے صرف ایک یا دو شخص ہوں ، ایسی خبر کو بھی احناف قابل قبول نہیں سمجھتے ۔ کیونکہ ایسی خبر مشہور یا متواتر ہونی چاهئیے ۔ اس لئے ایسی حدیث کو راوی کے سہو پر محمول کرتے ہیں یا منسوخ سمجھتے ہیں ۔ امام ابو الحسن کرخی اور تمام متاخرین حنفی فقہاء کا یہی نقطہ نظر ہے امام شافعی کے نزدیک ایسی حدیث اگر صحیح سند سے ثابت ہے تو قابل قبول ہے اور اهل ظاهر کا بھی یہی مسلک ہے ۔ اس کی مثال میں وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہری نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ زور سے پڑھتے تھے ۔ اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ۔ اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں بیان کیا ہے ۔ فقہاء احناف کا اس حدیث پر عمل نہیں ہے ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کا تعلق نماز سے ہے جس میں ہزاروں لوگ موجود ہوتے تھے ۔ اگر آپ بسم اللہ زور سے پڑھتے تو اس کو روایت کرنے والے ابو ہریرہ کے علاوہ دوسرے صحابہ بھی ہوتے ۔ لیکن اس کو صرف ابو ہریرہ نے ہی روایت کیا ہے ان کے علاوہ دوسرے لوگ اس کو روایت نہیں کرتے ۔ اس لئے احناف کا اس پر عمل نہیں ۔ جس حدیث سے فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا ثابت ہے اس پر بھی احناف کا اسی لئے عمل نہیں ۔

چوتھی شرط کی تفصیل یہ ہے کہ عہد صحابہ میں جب مختلف مسائل میں اختلاف رونما ہوا تو انہوں نے اختلاف کی صورت میں

بھی اس حدیث سے استدلال نہ کیا ہو، اس سے اعراض کیا ہو، اور اس کو ترک کر دیا ہو۔ ایسی خبر واحد بھی احناف کے نزدیک دلیل نہیں بن سکتی ۔ یہ عام متاخرین احناف کا مسلک ہے ۔ بعض متقدمین نے اس کو حجت سمجھا ہے ۔ مثلاً نابالغ پر وجوب زکوۃ کے بارے میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا ۔ اور انھوں نے اس مسئلہ میں اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لیا ۔ حالانکہ اس موضوع سے متعلق ایک حدیث موجود ہے اس سے استدلال نہیں کیا ۔ وہ حدیث یہ ہے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی ایسے یتیم کا ولی ہو جس کے پاس مال بھی ہو اس کو چاہئیے کہ وہ اس مال کو تجارت میں لگا دے ، تاکہ صدقہ سے وہ مال ختم نہ ہو جائے ۔ دوسرے فقہاء اس حدیث میں لفظ صدقہ سے مراد زکوۃ لیتے ہیں ۔ اس لئے ان کے نزدیک نابالغ کے مال میں زکوۃ فرض ہے ۔ احناف صدقہ سے مراد نفقہ لیتے ہیں ۔ اس لئے ان کے نزدیک یہ حدیث یا تو سرے سے ثابت ہی نہیں ہے ، ، یا مؤول ہے ۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے عمرو بن شعیب کی سند سے روایت کیا ہے ۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے نابالغ پر وجوب زکوۃ کے سلسلہ میں اس حدیث سے استدلال نہیں کیا ۔ اس لئے یہ قابل حجت نہیں ہے (۲۶)

احناف نے اپنے ان چار شرائط کی بنیاد پر جن احادیث کو ترک کر دیا ہے دوسرے فقہاء کا ان پر عمل ہے ۔ اپنے مسلک کی تائید میں انھوں نے تفصیل سے دلائل پیش کئے ہیں ۔ اس کی مزید تفصیل فقہ و حدیث کی مبسوط کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے ۔

خبر واحد سے متعلق ایک اہم مسئلہ محل خبر واحد کا ہے ۔ یعنی خبر واحد کن مقامات میں قابل قبول ہے اور کن میں نہیں ۔

احناف نے اس کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے ۔ اول ایسے شرعی احکام جو فروع دین ہیں اور وہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں ، اور ان میں نسخ و تبدیلی کا احتمال ہے ، دوم وہ حقوق العباد جن میں الزام محض ہو ، یعنی دوسرے پر کوئی حق یا ذمہ داری عائد کی جاتی ہو، سوم ایسے معاملات جن میں لزوم یعنی کوئی حق یا ذمہ داری عائد نہ کی جاتی ہو ، چہارم ایسے معاملات جن میں جزوی طور پر حق لازم کرنا ہو اور جزوی طور پر حق لازم نہ کرنا ہو ۔ ان کی تفصیل ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں ۔

خبر واحد ایسے شرعی احکام میں حجت ہے جن کا تعلق فروع دین سے ہو اور وہ خالص حق اللہ ہوں اور ان میں نسخ و تبدیلی کا امکان ہو اس کی دو قسمیں ہیں ۔ اول ایسے احکام جو شبہات سے ساقط نہیں ہوتے ، جیسے عبادات ۔ اس میں شہادت کی طرح نہ تعداد کی شرط ہے اور نہ شہادت کی صرف راوی میں وہ سب صفات موجود ہونی چاہئیں جو قبول روایت کے لئے شرط ہیں ۔ اس قسم میں راوی کے راجح طور پر صادق ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے . اور اس کے امکان کذب کی نفی کا اعتبار نہیں کیا گیا ۔ اس لئے اس کے گواہ کی طرح دو راویوں اور لفظ شہادت کی ضرورت نہیں رہتی ۔ صحابہ کرام اس قسم کی خبر واحد قبول کر لیتے تھے ۔ مثلاً حضرت علی سے روایت ہے کہ وہ راوی سے احتیاطاً قسم لیتے تھے ، لفظ شہادت اور دو راویوں کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے ۔

ایسے احکام جو شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں ، ان کے بارے میں امام ابو یوسف نے امالی میں کہا ہے کہ خبر واحد ان میں حجت ہے ۔ ابو بکر جصاص رازی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ۔ لیکن ابو

الحسن کرخی کہتے ہیں کہ حجت نہیں ہے ۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ یہاں خبر واحد اس لئے معتبر ہے کہ راوی کے صادق ہونے کو ترجیح دی گئی ہے ۔ اس صورت میں ایسے احکام میں جو شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں یا ثابت ہوتے ہیں خبر واحد سے عمل واجب ہو گا ۔ اگر صرف احتمال ایسے احکام میں مانع عمل ہوتا تو ان میں ثبوت سے بھی عمل جائز نہ ہوتا ۔ امام کرخی کی دلیل یہ ہے کہ خبر واحد ظنی ہے ۔ اس کے ثبوت میں پہلے ہی شبہ موجود ہے ۔ اس لئے جو احکام شبہ سے ساقط ہو جاتے ہوں ان کو ایسی چیز سے ثابت نہیں کہا جا سکتا جس میں شبہ موجود ہو ۔

اس قسم سے متعلق ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں جہاں خبر واحد کو تسلیم کیا گیا ہے ۔ رمضان کا چاند دیکھنے کے لئے ایک شخص کی خبر معتبر ہے بشرطیکہ آسمان پر بادل یا گردوغبار چھایا ہوا ہے ۔ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے ، حقوق العباد سے نہیں ۔ اس طرح کسی پانی یا کھانے کے بارے میں یہ نہ معلوم ہو کہ وہ پاک ہے یا ناپاک ، اور کوئی شخص یہ بتلائے کہ یہ پاک ہے یا ناپاک ہے تو اس کی خبر کو تسلیم کیا جائے گا ۔ کیونکہ اس کا تعلق بھی حقوق اللہ سے ہے ۔ الغرض نماز ، روزہ ، وضو ، عشر ، صدقہ فطر ان سب میں خبر واحد مقبول ہے ۔ جمہور کا یہی مذہب ہے ۔ اسی طرح حدود میں بھی جمہور کے نزدیک خبر واحد حجت ہے ۔ ابو الحسن کرخی کے نزدیک حجت نہیں ۔ فخر الاسلام بزدوی اور اصول الشاشی کے مصنف نے اس کو اختیار کیا ہے ۔

دوسری قسم میں وہ سارے حقوق العباد داخل ہیں جن میں ایک شخص کا دوسرے پر حق لازم کرنا ہو ۔ مثلاً بائع و مشتری میں سے

ایک بیع کا انکار کرتا ہو اور دوسرا ثبوت کے درپے ہو۔ اس قسم میں خبر واحد چند شرائط کے ساتھ معتبر ہے ۔ اول یہ کہ خبر دینے والے کی تعداد کم از کم دو ہو ، جیسا کہ گواہی کے لئے شرط ہے ۔ دوم یہ کہ خبر لفظ شہادت کے ساتھ دیں ۔ سوم یہ کہ وہ عادل ہوں۔ چہارم یہ کہ انہیں اس خبر کی ولایت یعنی اختیار حاصـــل ہو ۔ یہاں یہ سب شرائط اس لئے لگائے گئے ہیں کہ اس قسم کا تعلـق باہمی جھگڑوں اور تنازعات سے ہے ۔ اس لئے جھگڑا ختم کرنے کے لئے تاکید کی ضرورت ہے ۔ اسی وجہ سے ، لعان میں لفظ شہادت اور قسم کو مقرر کیا گیا ہے ۔ کیونکہ فریب کاری اور حیلے مقدمات میں بہت پیش آتے ہیں ۔ اس لئے گواہوں کے متعدد ہونے اور اُن کی اہلیت کی شرط لگائی ہے ۔

اس قسم سے متعلق کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں ۔ مثلاً عید کا چاند دیکھنے کے لئے کم از کم دو عادل شخصوں کا ہونا ضروری ہے ۔ کیونکہ اس سے حق العباد ثابت ہوتا ہے ، ماہ صیام کے اختتام سے روزے ختم ہو جاتے ہیں ۔ یہ ان کے لئے ایک منفعت ہے اور اس کا اختتام ان پر لازم ہے ۔ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رضاعت کے سبب حرمت کی خبر دیتا ہے اس کے لئے بھی یہ شرائط ضروری ہوں گے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ثبوت حلت ملک نکاح کے بغیر ممکن نہیں ، اس کا انتفاء موجب انتفاء ملک ہے اور مـلک کا حقوق العـباد سے تعلق ہے ۔ تزکیہ شہود کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ایک شخص کی خبر بھی معتبر ہے ۔ کیونکہ اس سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ ثبوت کی فراہمی اور قضاء کا جواز ہے ۔ یہ دونوں حق شریعت سے تعلق رکھتے ہیں ۔

امام محمد کے نزدیک اس کے لئے دو عادل گواہ ہونا ضروری ہے ، کیونکہ اس کا تعلق حق العباد سے ہے ـ کیونکہ مدعی اس میں اپنے لئے فیصلہ کا طالب ہوتا ہے ـ اس کے علاوہ اس قسم میں تمام دیوانی اور فوجداری مقدمات و تنازعات شامل ہیں ـ

تیسری قسم جس میں خبر واحد ہے حجت ہے وہ معاملات ہیں جن کا تعلق خالص حقوق العباد سے ہے ، اور ان میں کسی دوسرے پر کوئی حق لازم نہیں کیا جاتا ـ جیسے وکالت یا ہدیہ یا مضاربت کے بارے میں کوئی خبر بیان کرنا ـ یا دو کانوں پر جو گوشت فروخت ہوتا ہے اس کے بارے میں یہ خبر دینا کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے یا اہل کتاب کا ـ اس میں مخبر کا ممیز ہونا ضروری ہے یعنی عقل و تمیز شرط ہے خواہ وہ عادل ہو یا فاسق ، بالغ ہو یا نابالغ ، کافر ہو یا مسلمان ایسے بچہ کا قول جس کو تمیز نہ ہو اور دیوانہ کی خبر معتبر نہ ہو گی ـ ان کے سوا کوئی بھی ایسا شخص گواہی دے جو عقل و تمیز رکھتا ہو ، اور اپنا دل اس کی شہادت کو سچا جانتا ہو ، تو اس کو گواہی مقبول ہو گی ـ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہدایا کے بارے میں نیک و بد کی خبر قبول فرمائی ہے ـ اپنے کافروں کے ساتھ بھی بیع و شراء کے معاملات کئے ہیں ـ ایسے حقوق کے ثبوت میں اگر اتنی آسانی نہ رکھی جائے اور ہر جگہ دو عادل گواہوں کا لحاظ رکھا جائے تو کاروبار زندگی میں سخت خلل پڑے گا ـ کیونکہ عادل گواہ بہت کم پائے جاتے ہیں ـ اس قسم میں دوسرے شخص پر کوئی حق لازم نہیں ہوتا ـ اگر کوئی با ہوش و تمیز لڑکا یا کوئی کافر یا فاسق یہ خبر دے کہ فلاں شخص نے اپنا وکیل فلاں کو کیا ہے یا فلاں غلام کو تجارت کی اجازت دی ہے تو یہ

خــبر قــابل اعتبــار ہوگی ـ اور اس پر عمل کرنا جائز ہو گا ـ قسم سابق اور اس قسم کے درمیان دو اعتبار سے فرق کہا جا سکتا ہے اول یہ کہ اس قسم میں یہ توسع محض ضرورت کی بنا پر رکھا گیا ہے ـ ورنہ معاملات میں خلل و تنگی واقع ہونے کا اندیشہ ہے ـ دوم یہ کہ اس قسم میں خبر دینے سے کسی پر کوئی حق لازم نہیں آتا ـ کسی کی وکالت یا غلام کو تجارت کی اجازت کی خبر سے انہیں تصرف کرنے کی اجازت ہوتی ہے لیکن خــود ان پر اس خبر سے کوئی حق لازم نہیں آتا ـ

چوتھی قسم میں وہ خالص بندے کے حقوق شامل ہیں جن میں ایک جہت سے بندے پر حق لازم کرنا ہو اور دوسری جہت سے لازم کرنا نہ ہو ـ مثلاً وکیل کو وکالت سے معزول کرنا یا غلام کو تصرفات سے روکدینا ـ اس میں ایک جہت سے تو حق کا لازم کرنا ہے ـ وہ یہ کہ وکیل کو معزول کرنے اور غلام کو تصرفات سے روکدینے سے آیندہ ان کا عمل و تصــرف معامــلات میں باطل ہو جائے گا ـ اور دوسری حیثیت سے لازم نہ کرنا ہے، وہ یہ کہ موکل اور مالک اپنے حق میں تصرف فسخ کے ساتھ کرتے ہیں ـ جیسا کہ توکیل اور غلام کو تجارت کی اجازت دینے میں اپنے حق میں تصرف کرتے ہیں ـ اس قسم میں خبر دینے والے کے لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یا تعداد شرط ہے یا عدالت ـ یعنی ان دونوں میں سے ایک چیز شرط ہے ـ یا تو مخبر دو ہونے چاہئیں ، یا مخبر ایک ہــونے کی صــورت میں اسے عادل ہونا چاہئیے ـ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس قسم میں پہلی دونوں قسموں سے مشابہت موجود ہے ـ اس لئے حــکم میں بھی دونوں حیثیتوں کا پایا جانا ضروری ہے ـ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مخبر

صرف ممیز اور عاقل ہونا چاہئیے ۔ تعداد اور عدالت شرط نہیں ۔ یعنی اگر ایک فاسق شخص بھی یہ خبر دے کہ مؤکل نے اس کے وکیل کو برطرف کر دیا ہے ، یا غلام کو تجارت سے روکدیا ہے ، یا باکرہ عورت کو خبر دے کہ اس کے ولی نے اس کی شادی فلاں شخص کے ساتھ کر دی ہے ۔ اور وہ خاموش ہو جائے ، یا شفیع کو یہ خبر دے کہ مکان فروخت ہو گیا ہے ، اور وہ شفعہ کا مطالبہ نہ کرے ، یا کسی مالک کو یہ خبر دے کہ اس کے غلام نے کوئی جرم کیا ہے ، پھر بھی وہ آزاد کر دے ، تو ان سب صورتوں میں صاحبین کے نزدیک یہ خبر معتبر ہے ۔ اور اس پر فقہی احکام مرتب ہوں گے ۔ اس کے برعکس امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ خبر معتبر نہیں ۔ ان کے خیال میں اگر مخبر فاسق ہیں تو دو ہونے چاہئیں یا ایک ہے تو وہ عادل ہونا چاہئیے ۔ یہ شرط اس وقت ہے جب مخبر فضولی ہو ۔ یعنی مؤکل یا مالک کی طرف سے اس کی اجازت نہ ملی ہو ۔ اگر مخبر ان کی طرف سے وکیل یا قاصد ہو تو بالاتفاق ان کی خبر معتبر ہے ان کا ممیز اور عاقل ہونا شرط ہے ۔ کیونکہ وکیل یاقاصد کا خبر دینا مؤکل اور قاصد کے بھیجنے والے شخص کی خبر کے مترادف ۔ (۲۷)۔

اگر قرآن مجید یا حدیث متواتر سے ثابت شدہ حکم عام ہو تو اس کی تخصیص یا اس پر زیادتی خبر واحد سے جائز ہے یا نہیں ، اس مسئلہ میں جمہور اور فقہاء احناف کے درمیان اختلاف ہے ۔ احناف کے نزدیک عام سے ثابت شدہ حکم قطعی ہوتا ہے اس لئے اس کی تخصیص بھی قطعی حکم سے ہو سکتی ہے ۔ امام شافعی کے نزدیک جو حکم عام سے ثابت ہے وہ ظنی ہوتا ہے اس لئے اس کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے ۔ مثلاً قرآن مجید

میں حکم ھے کہ ھے فاقرؤا ماتیسر من القرآن (مزمل ـ ۲۰) اب تم قرآن میں سے جو آسانی سے پڑھ لیا کرو اس آیت میں لفظ ,,ما،، عام ھے ـ یعنی قرآن میں سے جو کچھ آسان ھو وہ نماز میں سے پڑھو ـ خواہ سورہ فاتحہ ھو ، یا سورۃ اخلاص یا کوئی اور آیت ـ لیکن حدیث میں ھے کہ ,,لاصلوۃ الابفاتحہ الکتاب ،، یعنی بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ھوتی ـ اس لئے جمہور کے نزدیک نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ھے ـ یعنی رکن ھے ـ لیکن احناف کے نزدیک رکنیت یعنی فرضیت خبر واحد سے ثابت نہیں ھوتی ـ نیز حکم قطعی کی تخصیص یا اس پر زیادتی کسی ظنی حکم یعنی خبر واحد یا قیاس سے نہیں ھو سکتی ـ اس لئے انھوں نے نفس قرأت یعنی قرآن مجید سے کچھ حصہ پڑھنے کو فرض قرار دیا ـ اسی وجہ سے قرأت قرآن احناف کے نزدیک رکن یعنی فرض ھے اس حدیث کے بارے میں وہ کہتے ھیں کہ یہاں نفی کمال مراد ھے ـ یعنی بغیر سورۃ فاتحہ کے کامل نماز نہیں ھوتی ـ لہذا سورۃ فاتحہ پڑھنے کو وہ واجب کہتے ھیں ـ واجب کا درجہ فرض سے کمتر ھے اس طرح قرآن و سنت دونوں کے درمیان وہ تطبیق کرتے ھیں ـ تاکہ دونوں پر عمل ھو جائے ـ اور اصول بھی نہ ٹوٹے ـ لیکن جمہور کے نزدیک نماز میں سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ھوتی ـ کیونکہ ان کے نزدیک عام کی تخصیص خبر واحد سے ھو سکتی ھے ـ

اس کی دوسری مثال قرآن مجید کی یہ آیت ھے ـ

ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ و انہ لفسق (انعام ـ ۱۲۱) ـ

اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ھو اس میں سے نہ کھاؤ ، بلاشبہ اس کا کھانا کھلی نافرمانی ھے ـ

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس ذبیحہ پر ,,بسم اللہ اللہ اکبر" نہ پڑھا جائے وہ حرام ہے ۔ آیت کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حرمت میں بھول کر یا قصداً بسم اللہ ترک کرنا شامل ہے ۔ لیکن اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے ۔ احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص بھول کر ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا کھانا جائز ہے ۔ لیکن ان کے نزدیک بھول جانے والا اس حکم میں داخل ہی نہیں ۔ بلکہ وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے اللہ کا نام لیا ہو ۔ اس کے علاوہ ایک حدیث کی رو سے بھول جانے پر وقتً کوئی گرفت نہیں ۔ جیسے روزہ کی حالت میں کوئی بھول کر کھا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا ۔ علاوہ ازیں عمداً ارتکاب یا ترک فعل کو نسیان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔ کیونکہ بھولنے والا معذور ہوتا ہے ، اور عمداً فعل کا ارتکاب یا کرنے والا معذور نہیں ہوتا ۔ بھولنے والا عاجز ہوتا ہے اور تخفیف کا مستحق ہوتا ہے ، لیکن قصداً کام کرنے والا جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ سختی کا مستحق ہوتا ہے ۔ اس لئے احناف کے نزدیک اگر کوئی شخص قصداً ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کا کھانا حرام ہے ۔ اور اس کے فعل کو بھولنے والے کے فعل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔ امام شافعی کے نزدیک اگر کوئی مسلمان ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ ترک کر دے تو اس کا کھانا حلال ہے ۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں ۔ براء بن عازب اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : المسلم یذبح علیٰ اسم اللہ سمی اولم یسمی ۔ یعنی مسلمان تو اللہ کے نام پر ہی ذبح کرتا ہے ۔ خواہ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے ۔ اس حدیث کو امام شافعی نے مراسیل میں روایت کیا ہے ۔

دوسری حدیث حضرت عائشه سے روایت ھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کچھ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ھیں ۔ وہ ھمارے پاس گوشت لاتے ھیں ۔ معلوم نہیں وہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتے ھیں یا نہیں ۔ اس گوشت کے بارے میں کیا حکم ھے؟ آپ نے فرمایا کہ تم خود اس پر اللہ کا نام لو اور کھالو

ان احادیث سے امام شافعی استدلال کرتے ھیں اور قرآن مجید کے عمومی حکم کی تخصیص خبر واحد سے کرتے ھیں ۔ لیکن قرآن مجید کے عمومی حکم کی تخصیص احناف کے نزدیک خبر واحد سے جائز نہیں ۔ اس لئے وہ ان احادیث پر عمل نہیں کرتے ۔ اور جو شخص قصداً ذبح کرتے وقت بسم اللہ ترک کر دے ان کے نزدیک اس کا کھانا حرام ھے ۔ ان احادیث کا جواب وہ یہ دیتے ھیں کہ حضرت ابو ھریرہ والی حدیث نسیان پر محمول کی جائے گی ۔ نیز یہ حدیث یا موقوف ھے یا مرسل ۔ اس لئے امام شافعی کے نزدیک خود بھی یہ قابل استدلال نہیں ۔ سوم یہ کہ صحابہ کا اس پر اجماع ھے کہ جو شخص ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ ترک کر دے اس کا کھانا حرام ھے ۔ چہارم یہ کہ یہ حدیث قرآن کے حکم کے خلاف ھے ۔ اس لئے اس سے استدلال نہیں ہو سکتا ۔ پنجم یہ کہ صحابہ اور تابعین کا بھی اس حدیث پر عمل نہیں ۔ حضرت عائشه والی ، روایت کا جواب وہ یہ دیتے ھیں کہ حدیث سے معلوم ہوتا ھے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا حلت ذبیحہ کی شرائط میں سے تھا ۔ اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ کوئی مسلمان ذبح کے وقت عمداً بسم اللہ پڑھنا ترک نہیں کرتا ۔ اس لئے احتیاطاً شک کی صورت میں آپ نے یہ فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر اس کو کھایا جا

سکتا ہے۔ عبداللہ بن عمر تو بھول کر بسم اللہ ترک کرنے والے کا ذبیحہ بھی حرام سمجھتے تھے ۔ ان کے نزدیک النسیان اور عمد کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا ۔ امام مالک اور اہل ظاہر کا یہی مسلک ہے۔ حضرت علی اور ابن عباس بھول کر بسم اللہ چھوڑنے والے کے ذبیحہ کو حلال اور قصداً چھوڑنے والے کے ذبیحہ کو حرام سمجھتے تھے ۔ ان کے درمیان اختلاف نسیان کی صورت میں تھا ، عمد کی صورت میں نہیں ۔ اس لئے ایسی حدیث سے جس سے صحابہ نے بھی استدلال نہ کیا ہو قرآن مجید کے عمومی حکم کی تخصیص نہیں ہو سکتی ۔ موزوں پر مسح کرنے اور رجم کی حدیث احناف کے نزدیک مشہور ہے ۔ اس لئے وہ اس پر عمل کرتے ہیں ۔

خبر واحد سے قرآن مجید کے عموم حکم کی تخصیص کی ممانعت فقہاء احناف کا مشہور مسلک ہے۔ ابوبکر جصاص اور عیسی بن ابان اور اکثر احناف کا یہی قول ہے۔ بعض شافعی فقہاء کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابوبکر ، حضرت عمر ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرت ابوبکر اس حدیث پرجو کتاب اللہ کے مخالف ہوتی عمل نہیں کرتے تھے ۔ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ ہم محض ایک عورت کی بات سن کر قرآن مجید کا حکم ترک نہیں کر سکتے ، معلوم نہیں وہ سچ کہہ رہی ہے یا جھوٹ ۔ اسی طرح حضرت عائشہ نے میت کے رشتہ داروں کے نوحہ کرنے کے سبب میت کو عذاب قبر ہونے کو تسلیم نہیں کیا ، جو حدیث سے ثابت ہے۔ اور اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کے مخالف ہے کہ ایک شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۔

فقہاء احناف اور جمہور کے درمیان اس مسئلہ میں سخت اختلاف ہے اور جانبین سے دلائل دیئے گئے ہیں ۔ اس کی مثالیں بھی بے شمار ہیں ۔ یہاں ہم نے صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا ہے تاکہ احناف کا نقطۂ نظر واضح کر سکیں (۲۸) ۔

حدیث مشہور اور حدیث مرسل کے بارے میں ہم علیحدہ مقالہ میں تفصیل سے بحث کریں گے ۔

حواشی و حوالہ جات

۱ ۔ احمد حسن خبر متواتر کی شرعی حیثیت ۔ فکرونظر ۔ اکتوبر ۔ دسمبر ۱۹۸۴ء ، ج ۲۲ ۔ شمارہ ۲ ۔ ص ۳ ۔ ۸

۲ ۔ جمال الدین السنوی ۔ نہایة السول فی شرح منہاج الوصول الی علم الاصول ۔ قاہرہ ۔ مطبعة التوفیق الادبیہ ۔ تاریخ طباعت درج نہیں ۔ ج ۲ ۔ ص ۱۸۳ ۔ ۱۹۳ ۔ تقی الدین و تاج الدین السبکی ۔ الابہاج فی شرح المنہاج ۔ مطبوعہ نہایة السول ۔ ج ۲ ۔ ص ۱۸۳ ۔ ۱۹۳ ۔

۳ ۔ امام شافعی ۔ کتاب الرسالہ فی اصول الفقہ ۔ بولاق ۔ مطبعہ امیریہ ۔ ۱۳۲۱ ھ ۔ ص ۵۱

۴ ۔ نظام الدین الشاشی ۔ اصول الشاشی ۔

۴ ۔ نظام الدین شاشی ۔ اصول الشاشی مع شرح حکیم نجم الغنی ۔ دہلی ۔ محبوب المطابع ۔ تاریخ طباعت درج نہیں ۔ ص ۱۱۸ ۔ اسی قسم کی تعریف ۔ امام غزالی نے المستصفیٰ میں دی ہے ۔ ملاحظہ ہو ج ۱ ۔ ص ۹۳ ۔ نیز ملاحظہ ہو فخر الاسلام بزدوی ۔ اصول البزدوی بر حاشیہ کشف الاسرار ۔ قسطنطنیہ ۔ المکتب الصنائع ۔ ۱۳۰۷ ھ ، ج ۲ ، ص ۶۹۰ ۔

۵ ۔ امام سرخسی ۔ اصول السرخسی ۔ قاہرہ ۔ مطابع دارالکتاب العربی ۔ (لجنة احیاء المعارف النعمانیہ ۔ حیدرآباد دکن) ، ۱۳۷۲ ھ ، ج ۱ ، ص ۳۲۱ ۔ اسی قسم کی تعریف النوی نے نہایة السول میں دی ہے ، ج ۲ ، ص ۱۹۶ ۔ قرافی نے بھی شرح تنقیح الفصول میں یہی تعریف دی ہے ۔ دیکھیئے بولاق ایڈیشن ۱۳۰۶ ھ ، ص ۱۵۴ ۔

۶ ۔ جمال الدین السنوی ۔ نہایة السول ۔ مذکورہ بالا ایڈیشن ۔ ج۲ ، ص ۱۹۶ ۔

۷ ۔ ابن حجر عسقلانی ۔ شرح نخبة الفکر ۔ کراچی ۔ قرآن محل ، تاریخ طباعت درج نہیں ۔ ص ۱۶

۸ ۔ ایضاً ص ۱۸ ۔ صبحی صالح ۔ علوم الحدیث و مصطلحہ ۔ بیروت ، دارالعلوم للملائین ۔ ۱۹۶۵ء ص ۲۲۶ ۔ ۲۳۰

۹ ۔ امام غزالی ۔ المستصفی من علم الاصول ۔ قاہرہ ۔ المکتبة التجاریہ الکبری ۔ ۱۳۵۶ ھ ج ۱ ، ص ۹۳ ۔ ۹۵ ۔ عضد الدین ایجی ۔ شرح مختصر المنتہی ۔ قسطنطنیہ ۔ ۱۳۰۷ ھ ج ۱ ، ص ۱۵۹ ۔ ۱۶۰ ۔ عبدالعلی بحر العلوم ۔ فواتح الرحموت ۔ بولاق ۔ مطبعہ امیریہ ، ۱۳۲۴ ھ ۔ ج

۲ ، ص ۱۳۱ ـ ۱۳۲ ـ قرافی شرح تنقیح الفصول ـ قاهره ، مطبعه خیریه ـ ۱۳۰۶ هـ ص ۱۵۴ . اصول السرخسی ـ ج ۱ ، ص ۳۲۱ ـ

۱۰ ـ سیف الدین آمدی ـ الاحکام فی اصول الاحکام ـ قاهره ـ مطبعة المعارف ـ ۱۳۳۲ هـ ، ج ۲ ، ص ۶۰ ـ ۶۸ ـ عضد الدین ایجی ـ شرح مختصر المنتهی ج ۱ ـ ص ۱۵۸ ـ ۱۵۹

۱۱ ـ امام شافعی ـ کتاب الرساله ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ص ۶۰

۱۲ ـ امام سرخسی ـ اصول السرخسی ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ج ۱ ، ۳۲۲ ـ ۳۲۳ ـ

۱۳ ـ عبدالعزیزی بخاری ـ کشف الاسرار علی اصول البزدوی ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ج ۲ ، ص ۶۹۲ ـ ۶۹۳

۱۴ ـ امام شافعی ـ کتاب الرساله ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ص ۵۵ ـ ۵۸

۱۵ ـ ایضـــاً ص ۵۸ ـ ۶۱ ـ آمدی ـ الاحکام فی اصول الاحکام ـ ج ۲ ، ص ۹۰ ـ ۹۵

۱۶ ـ رساله شافعی ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ص ۶۲ ـ ۶۳

۱۷ ـ امام غزالی ـ المستصفیٰ ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ج ۱ ، ص ۹۹ ـ نیز ملاحظه هو ـ آمدی ـ الاحکام ـ ج ۲ ، ص ۷۱ـ۷۲ ـ

۱۹ ـ آمدی ـ الاحکام فی اصول الاحکام ، محوله بالا ایڈیشن ـ ج ۲ ، ص ۶۸ ـ ۶۹

۱۹ ـ ایضـــاً ـ ص ۹۶ ـ ۹۸

۲۰ ـ ایضـــاً ـ ص ۹۵ ـ ۱۰۰

۲۱ ـ ایضـــاً ص ۶۹ ـ ۷۱

۲۲ ـ امام شافعی ـ کتب الرساله ـ محوله بالا ایڈیشن ، ص ۵۲ ـ ۵۵

۲۳ ـ عبدالعزیز بخاری ـ کشف الاسرار ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ج ۲ ، ص ۶۹۰ ـ ۶۹۱ ـ صدر الشریعة ، التوضیح مع شرح التلویح ـ قاهره ـ دارالعهد الجدید للطباعة ، ۱۹۵۷ ـ ج ۲ ـ ص ۵ ـ ۶ ـ بحر العلوم ـ عبدالعلی محمد بن نظام الدین انصاری ـ فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت ـ بولاق ـ ۱۳۲۴ هـ ـ طبع جدید ـ مکتبة بغداد ـ ۱۹۷۰ ـ ج ۲ ، ص ۱۲۳ ـ اصول السرخسی ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ج ۱ ص ۳۲۱ ـ

۲۳ ـ عبدالعزیز بخاری ـ کشف الاسرار ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ج ۲ ، ص ۶۹۱ ـ

۲۵ ـ عبدالعلی ـ بحرالعلوم ـ فواتح الرحموت ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ج ۲ ، ص ۱۲۳ ـ

۲۶ ـ حسام الدین اخبسیکثی ـ الحسامی ـ دهلی ـ مطبع مجتبائی ـ ۱۳۵۴ هـ ، ص ۷۰ ـ مع حواشی ملاجیون ـ نور الانوار ـ دهلی ـ مطبع علیمی ـ ۱۹۳۶ء ـ ۱۸۵ ـ ۱۸۶ مع حواشی ـ

۲۷ ـ اصول السرخسی ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ج ۱ ، ص ۳۳۳ ـ ۳۳۸ ـ نظام الدین شاشی ـ اصول الشاشی ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ص ۱۲۸ ـ ۱۳۰ ، نور الانوار ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ص ۱۸۶ ـ ۱۸۷ ـ

۲۸ ـ عبدالعزیز بخاری ـ کشف الاسرار ـ بیروت ـ دارالکتاب العربی ۱۳۹۴ هـ ، ج ۱ ، ص ۲۹۳ ـ ۳۰۰ ـ عبدالعلی بحر العلوم ـ فواتح الرحموت ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ج ۲ ، ص ۱۳۰ ـ اصول الشاشی ـ محوله بالا ایڈیشن ـ ص ۱۳ ـ ۱۵